یَسْتَفْتُوْنَکَ ؕ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ ؕ (القرآن الکریم)

مَنْ أُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُہٗ عَلٰی مَنْ أَفْتَاہُ (الحدیث)

عَوْنُ الْمُغْنِیْ

فی حلّ

عُقُوْدُ رَسْمِ الْمُفْتِیْ

یعنی

عقود رسم المفتی کا آسان ترجمہ وتشریح





مفتی محمد مُرشد قاسمی

استاذ حدیث وفقہ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

مکتبہ فقیہ النفس بنگلور

يَسْتَفْتُونَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ (القرآن الكريم)

مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَىٰ مَنْ أَفْتَاهُ (الحديث)

عون المغنی

فی حل

عقود رسم المفتی

یعنی

عقود رسم المفتی کا آسان ترجمہ وتشریح

مؤلف

مفتی محمد مرشد قاسمی

استاذ حدیث وفقہ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

مکتبہ فقیہ النفس بنگلور

AUN UL MUGHNI

By: Mufti Mohammad Murshid Qasmi

نام کتاب	:	عون المغني في حل عقود رسم المفتي
نام مؤلف	:	مفتی محمد مرشد قاسمی (استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)
صفحات	:	۱۱۰
ناشر	:	مکتبہ فقیہ النفس، بنگلور
تاریخ اشاعت	:	جمادی الاخری ۱۴۴۶ھ = دسمبر ۲۰۲۴ء (پہلا ایڈیشن، ۱۱۰۰/عدد)
موبائل نمبر	:	+91 8884293495
ای - میل	:	maaqasmi87@gmail.com
قیمت	:	۷۰

PUBLISHER

MAKTABA FAQEEH UN NAFS

NEAR JAMIA ISLAMIA MASEEHUL ULOOM

K.S.HALLI, KANNUR POST, NEW AIRPORT ROAD

BENGALURU:560077. Mob:8884293495

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اولاً: والدہ محترمہ کے نام، جن کی ہمہ وقت کی دعائیں، کچھ نہ کچھ دینی علمی کام کرنے کی محرّک بنی رہتی ہیں، اللہ پاک عافیت کے ساتھ تا دیر اُن کا سایہ قائم ودائم رکھے۔ آمین

ثانیاً: محسن ومرشد، کرم فرما، استاذِ گرامی مرتبت حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ (سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند) کی روح کے نام، جن کی توجہ اور بہت ہی حوصلہ افزا وہ دو کلمات، جو آپ نے اِس ناچیز کی پہلی تصنیف: ''عون الغفار'' کی تقریظ میں تحریر فرمایا تھا: (۱) ''پھر اِن کو (مرشد کو) مصنف بننے کا شوق دامن گیر ہوا، یہ بہت اچھا شوق ہے، آج کل فضلا میں اِس کا فقدان ہے''.. (۲) ''بڑھے چلو، قدم قدم، منزل دور نہیں''؛ آج تک مشعلِ راہ بنے ہوئے، منزل کی راہ نمائی کر رہے ہیں، اللہ پاک اُنھیں کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائیں۔

ثالثاً: مخدوم ومہربان حضرت مہتمم صاحب (حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب شروانی دامت برکاتہم) کے نام، جن کے تشجیعی

کلمات نے حوصلے کواُس وقت بہت مہمیز کیا، جب اِس عاجز نے اُن کے سامنے اپنے اِس کام کے ارادے کا اظہار کیا اور آپ نے خوش ہوکر فرمایا کہ ''کرو! کچھ علمی کام کرتے رہنا چاہیے، میں بھی دیکھوں گا''۔

رابعاً: اپنی پیاری معصوم سی گڑیا: ''مسفرہ کونین'' کے نام، جس کی ایک پیاری سی بات نے حوصلے اور ارادے کو اتنی جولانی بخشی کہ بالآخر یہ کام اپنی انتہا کو پہنچ گیا، واقعہ یہ ہے کہ ۱۶/۳/۱۴۴۶ھ = ۲۰/۹/۲۰۲۴ء بہ روزِ جمعہ تقریباً بارہ بجے دن میں بخار کی حالت میں یہ عاجز اپنی معمولی سی کوشش میں مشغول تھا کہ جگر کا ٹکڑا ''مسفرہ کونین'' جس نے ابھی اپنی عمر کی پہلی دہائی کا نصف حصہ بھی مکمل نہیں کیا ہے، اچانک سامنے آکر اپنے معصومانہ لہجے اور پیاری پیاری میٹھی زبان میں کہتی ہے کہ'' أبــي ''! آپ کو بخار ہے، پھر بھی آپ لکھ رہے ہیں؟ کسی بھیّا (جامعہ کے کسی طالب علم) کو کال کر کے بلا لیجیے نا! میں بتا نہیں سکتا کہ اس معصوم کے اس پیارے سے جملے نے مجھے کتنا حوصلہ دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

استاذِ محترم، بحر العلوم

حضرت اقدس مولانا **نعمت اللہ صاحب اعظمی** أطال اللہ بقاءہ بالصحۃ والعافیۃ

(محدّث دار العلوم دیوبند)

نحمد الله العظيم ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

زیرِ نظر کتاب: ''**عون المغني في حل عقود رسم المفتي**'' مولانا محمد مرشد قاسمی (استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور) کی تصنیف کردہ ہے، اس دور میں شعبۂ اِفتاء کی کثرت کے باوجود طلبہ کی صلاحیتوں میں انحطاط در آیا ہے، بنا بریں طلبہ کتبِ اِفتاء سے مکمل استفادے سے محروم رہتے ہیں، مولانا موصوف چوں کہ خود اِفتاء کے مدرس ہیں؛ اس لیے مولانا کو ''**رسم المفتي**'' کی تدریس کے دوران اِس بات کا داعیہ پیدا ہوا کہ اس کتاب کی آسان، قابلِ فہم اور مختصر شرح ترتیب دی جائے۔

اس کتاب کی اگر چہ دیگر شروحات موجود ہیں؛ مگر اُن سے استفادہ مشکل ہونے کے باعث متوسط طلبہ کی گرفت سے باہر معلوم ہوتی ہیں؛ اس لیے مولانا موصوف نے قلم اُٹھایا اور اس کتاب کو آسان سے آسان بنانے میں حد درجہ کوشش کی، اشعار کا با

محاورہ ترجمہ، سلیس اور شستہ زبان میں اُس کی وضاحت کے ساتھ، اُس کی لغات وتراکیب پر بھی توجہ مرکوز کی۔

امید ہے کہ طلبہ اس کتاب سے بآسانی استفادہ کرسکیں گے۔آخر میں بارگاہِ رب العزت میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی اِس کاوش کو قبول فرما کر، اِس کو قبولیت سے نوازے، آمین!

۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ
بہ روزِ جمعرات

نعمت اللہ
(خادم التدریس دار العلوم دیوبند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

استاذِ محترم، شارحِ ترمذی:

حضرت اقدس مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی زیدت معالیہ

(استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند)

حامدًا ومصليًا ومسلمًا، وبعد!

علامہ شامی رحمہ اللہ کی کتاب: "**شرح عقود رسم المفتي**" شعبۂ افتاء میں تقریباً ہر جگہ شاملِ نصاب ہے، علامہ نے اصولِ افتاء کو اولاً منظوم شکل میں بیان کیا ہے، جس کا نام "**عقود رسم المفتي**" رکھا ہے، ثانیاً خود ہی اُس کی شرح کی ہے، جس کا نام "**شرح عقود رسم المفتي**" ہے، یہ شرح کافی تفصیلی ہے، بعض مقامات پر عبارت پیچیدہ بھی ہے، تفصیلی ہونے کی وجہ سے بعض مرتبہ اصل بحث سے طلبہ کی توجہ ہٹ جاتی ہے، جس کی وجہ سے بسا اوقات فتویٰ نویسی کے جو اصول علامہ نے منظومے میں بیان فرمائے ہیں، اُسے طلبہ پوری طرح ہضم نہیں کر پاتے، یہ لکھتے ہوئے مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ عزیزِ مکرم جناب مولانا مفتی محمد مرشد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سے، جب الجامعۃ الاِسلامیۃ مسیح العلوم بنگلور میں اس کا سبق متعلق ہوا، تو اُنھیں شرح کے اسلوب سے طلبہ کی پریشانی کا اندازہ ہوا اور

اُنھوں نے سوچا کہ تسہیل کا ایسا کوئی کام کیا جائے، جس سے طلبہ کے لیے اصولِ افتاء کو اچھی طرح سمجھنا آسان ہو جائے۔

چناں چہ اُنھوں نے صرف منظومے کو سامنے رکھ کر، پہلا کام تو یہ کیا کہ آسانی کی خاطر پورے منظومے کا بامحاورہ ترجمہ کیا، پھر اُس میں آئے ہوئے فتوی نویسی کے تمام اصول وضوابط کی علامہ شامی رحمہ اللہ کی شرح اور دوسری کتابوں کی مدد سے اتنی تشریح کر دی کہ جس سے بات پوری طرح واضح ہوگئی، باقی تفصیلات شرح کے لیے چھوڑ دی گئی، پھر مزید وضاحت کے لیے اُن اصول وقواعد کو مثالوں سے بھی سمجھایا، جس سے بات اور واضح ہوگئی، نیز جن مقامات پر ضرورتِ شعری کی وجہ سے کلمات کی ترتیب اس حد تک بدل گئی ہے کہ عبارت کا سمجھنا دشوار ہوتا ہے، ایسے تمام مقامات پر اشعار کی ضروری ترکیبیں اور عبارت کا باہمی ربط بھی بیان کر دیا ہے، جس کی وجہ سے عبارت فہمی کافی آسان ہوگئی ہے، عبارت پر صحیح اعراب لگانے کی بھی مکمل کوشش کی گئی ہے۔

اِن تمام کاموں کی وجہ سے مجھے اللہ پاک کی ذات سے قوی امید ہے کہ عزیزِ گرامی قدر کی یہ تحریر شعبۂ افتاء کے طلبہ؛ بل کہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بعض اُساتذہ کے لیے بھی مفید ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ پاک موصوف کو مزید ترقیات سے نوازیں اور اپنی مرضی کے مطابق تاحیات دینی، علمی کاموں میں مشغول رکھیں۔ آمین!

عبداللہ معروفی

خادم طلبہ شعبۂ تخصص فی الحدیث الشریف دار العلوم دیوبند

۲۶/ ربیع الثانی/ ۱۴۴۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاثرات

نبیرۂ شیخ الاسلام جلیل القدر فقیہ نائب امیر الہند

حضرت اقدس مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری زید فضلہ

(استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند)

نحمده ونصلي علیٰ رسوله الكريم، أما بعد!

اَمین الفقہاء حضرت علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی الحنفي رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) نے جو جلیل القدر علمی اور فقہی کارنامے انجام دیے، اُن میں ''شرح عقود رسم المفتي'' کو امتیازی حیثیت حاصل ہے، یہ کتاب ہمارے مدارس میں تکمیلِ افتاء کے نصاب میں داخل ہے، جو دراصل حضرت علامہ شامی رحمہ اللہ کے منظومے: ''عقود رسم المفتي'' کی شرح ہے۔

تجربہ یہ ہے کہ اگر طلبۂ افتاء کتاب کو سمجھنے کے ساتھ، اِس مختصر ''منظومے'' کو حفظ یاد کرلیں، تو مباحث کو ذہن نشیں کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے؛ چناں چہ احقر ''شرح عقود رسم المفتي'' کے درس میں سبھی طلبہ کو یہ پوری نظم یاد کرانے کا اہتمام کرتا ہے، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

اَب احقر کے سامنے جب اِس ''منظومے'' کی شرح پر مشتمل فاضلِ گرامی حضرت مولانا مفتی محمد مرشد صاحب قاسمی زید علمہ (اُستاذ الحدیث والفقہ جامعہ اسلامیہ

مسیح العلوم بنگلور) کا مرتب فرمودہ رسالہ ''عون المغني فی حل عقود رسم المفتي'' سامنے آیا، تو خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی کہ موصوف نے بہت ہی خوش اُسلوبی کے ساتھ ''عقود رسم المفتي'' کے ترجمے اور تشریح کا کام انجام دیا ہے، جو بہت قابلِ قدر اور لائق تعریف ہے۔

اُمید ہے کہ طلبہ اِفتاء اِس سے خوب خوب مستفیض ہوں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کو جزائے خیر سے نوازیں اور اِس رسالے کے نفع کو عام اور تام فرمائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

(خادم الطلبۃ دار العلوم دیوبند)

۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۶ھ

۵/ دسمبر ۲۰۲۴ء؛ بہ روزِ جمعرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلماتِ تبریک

استاذِ محترم حضرت اقدس مولانا مفتی محمد اشفاق صاحب قاسمی دامت برکاتہم
(استاذِ حدیث وفقہ دار العلوم امدادیہ، ممبئی)

نحمد الله العظيم ونصلي على رسوله الكريم ، أما بعد!

جلیل القدر محقق وفقیہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے فتوی نویسی کے اصول وضوابط کو نظم میں بیان فرمایا ہے، جس کا نام "**عقود رسم المفتي**" ہے، پھر اُنھوں نے خود ہی نثر میں اُس کی شرح کی ہے، جس کا نام "**شرح عقود رسم المفتي**" ہے؛ چوں کہ فتوی نویسی کے اصول وقواعد کا جاننا ہر مفتی کے لیے ضروری ہے، حالاتِ زمانہ سے واقفیت، متون وشروح اور کتبِ فتاوی میں ذکر کردہ مسائل میں تصحیح وترجیح کے طریقے کا جاننا بھی بے حد ضروری ہے؛ اسی لیے یہ کتاب شعبۂ افتاء کے نصاب میں داخل ہے۔

ہمیں قلبی مسرت ہے کہ فاضلِ گرامی قدر، ذی استعداد وباصلاحیت عالمِ دین ایک ہونہار اور کامیاب مدرس: مفتی محمد مرشد قاسمی (استاذِ حدیث وفقہ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور) کے قلم گہربار سے متن یعنی "**عقود رسم المفتي**" کی شرح منظر عام پر آئی ہے، جنھیں اِس کتاب کی تدریس کا کئی سال کا تجربہ ہے، اشعار کی تشریح کا ایسا انوکھا

انداز ہے کہ متن کے ساتھ شرح خود بہ خود حل ہو جاتی ہے۔

میں عزیزِ موصوف کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور عند اللہ مقبولیت کی دعا کرتا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ اس میں ہمارا بھی حصہ رہے گا؛ کیوں کہ عزیزِ موصوف ''دارالعلوم امدادیہ، ممبئی'' کے چشم و چراغ رہ چکے ہیں۔

فقط

(مفتی) محمد اشفاق (صاحب) قاسمی

(مدرس دارالعلوم امدادیہ، ممبئی)

۱۴۴۶/۵/۲۸ھ = ۲۰۲۴/۱۲/۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقَـدّمة

مخدومِ گرامی حاملِ شریعت وطریقت

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی زید مجدہم

(بانی ومہتمم وشیخ الحدیث الجامعۃ الاِسلامیۃ مسیح العلوم بنگلور)

الحمدُ لِلّٰه رَبّ العَالَمِيْن ، والصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلٰى أشْرفِ الأنْبِيَاء والمُرْسَلِين وعَلَى آلِه و صَحْبِه أجْمَعِيْن ، ومَنْ تَبِعَهُمْ بإحْسانٍ في كُلِّ زَمَانٍ و مَكَانٍ إلٰى يَوْمِ الدِّيْن ، أمّا بَعْدُ:

اہلِ علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ منصبِ افتاء ایک نہایت اہم و نازک ترین ذمے داری ومسئولیت کا نام ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ کسی بھی مسئولیت و ذمے داری کو اُٹھانے اور انجام دینے کے لیے، اُس کی اہلیت وقابلیت کا ہونا شرطِ اعظم ہے اور اسی میں ایک یہ بھی ہے کہ مفتی اُن اصول وقواعد سے آشنا بھی ہو اور اُن کو برتنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو، جو حضراتِ علمائے کرام نے اِس سلسلے میں مستنبط کیے ہیں اور اپنی کتابوں میں مدون فرما دیے ہیں۔

منصبِ افتاء کی یہ اہمیت ونزاکت اِس وجہ سے ہے کہ افتاء فی الواقع کسی چیز کے اُس حکم کو بیان کرنے اور واضح کرنے کا نام ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرر ہے اور یہ کہ لوگوں کو اس حکمِ ربانی سے واقف کرایا جائے، خواہ وہ حکم فرضیت و وجوب کا ہو، یا حرمت وعدمِ جواز کا، صحت و جواز کا ہو، یا بطلان وفساد کا، استحباب کا ہو یا کراہت کا۔ ایک مفتی دراصل ان امور کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بیان کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اِس سلسلے میں اللہ کا حکم یہ ہے، اگر اس میں کوئی کوتاہی ہوگی تو تحلیلِ حرام وتحریمِ حلال کے عظیم مفسدے کا مرتکب ہوسکتا ہے۔

امام ابن حمدان رحمہ اللہ نے مفتی کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

" المفتي هو المُخبِر بحكم الله تعالىٰ لمعرفته بدليله" وقيل: "هو المخبر عن الله بحكمه" و قيل: "هو المتمكن من معرفة أحكام الوقائع شرعاً بالدليل مع حفظه لأكثر الفقه."

(مفتی حکمِ خداوندی کو دلیل کی جان کاری کے ساتھ خبر دینے والے کا نام ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ (مفتی) اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے حکم کو بیان کرنے والے کا نام ہے۔ اور مفتی کی ایک تعریف یہ ہے کہ مفتی وہ ہے، جو پیش آنے والے واقعات میں شرعی حکم کو دلیل کے ساتھ، فقہ کی اکثر جزئیات کو یاد رکھتے ہوئے، جاننے پر قدرت رکھتا ہو۔)

(صفة الفتوى والمفتي والمستفتي:۴)

امام نووی رحمہ اللہ ''أدب المفتي والمستفتي'' میں لکھتے ہیں کہ

" اعـلـم أن الإفتاء عظيم الخَطَر ، كبير المَوقِع ، كثيرُ الـفَـضـل؛ لأن المُفتِي وارثُ الأنبياء صلوات اللّٰـه وسـلامـه عليهم أجمعين وقائم بفرض الكفاية ولـكـنه مُعرَّض للخطأ ولهذا قالوا : إن المفتي مُوَقِّع عن اللّٰه تعالى."

(جان لو کہ افتاء بڑا پر خطر، بڑے مقام والا، بڑا فضیلت مآب منصب ہے ؛ کیوں کہ مفتی حضراتِ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا وارث اور فرضِ کفایہ کو قائم کرنے والا ہوتا ہے؛ لیکن وہ درپئے خطا ہوتا ہے؛ اسی لیے علماء نے فرمایا کہ مفتی دراصل اللہ کی جانب سے (مسئلے) پر مہر لگانے والا ہوتا ہے۔)

(أدب المفتي والمستفتي:۱۴)

یہی وجہ ہے کہ سلفِ صالح سے فتوی دینے کے سلسلے میں قولاً وفعلاً نہایت احتیاط مروی ہے، یہاں ایک قول وایک فعل کے نقل کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اور امام سحنون رحمہ اللہ نے کہا :

" أجسر الناس على الفتيا أقلهم علماً."

(لوگوں میں سے فتوی دینے کی جرأت وہی کرتا ہے جو سب سے کم علم ہو۔)

(جامع بيان العلم :۲/۱۱۲۴؛أدب المفتي لابن الصلاح:۷۶؛ أدب المفتي للنووي:۱۵)

امام عبد الرحمٰن ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ کو پایا ہے، ان میں سے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا، تو وہ دوسرے کی جانب لوٹا دیتا اور وہ کسی اور کی جانب لوٹا دیتا، یہاں تک کہ وہ پوچھنے والا لوٹ کر پہلے

صاحب کے پاس آجاتا۔ اور ایک روایت میں ان سے اس طرح منقول ہے کہ ان صحابہ میں سے کوئی بھی حدیث بیان کرتا، تو یہ خواہش کرتا کہ اس کا کوئی بھائی اس کو بیان کردے اور ان میں سے کسی سے سوال کیا جاتا، تو وہ یہ خواہش کرتا کہ اس کا بھائی اس کا جواب دے دے۔

(سنن الدارمي:۱/۵۳؛طبقات ابن سعد:۶/۱۱۰؛ جامع بيان العلم و فضله :۲/۱۱۲۰؛ أدب المفتي لابن الصلاح:۷۵؛ أدب المفتي للنووي:۱۴)

الغرض ''افتاء'' ایک نہایت دقیق و نازک فن ہے اور منصبِ افتاء ایک اہم مسئولیت وذمے داری ہے، جس کے کچھ اصول وقواعد ہیں اور ان کی رعایت مفتی کے لیے اِسی طرح ضروری ہے، جیسے اور علوم وفنون میں اُن کے اصول وقواعد کی رعایت لازم وضروری ہوا کرتی ہے۔

اِسی لیے حضراتِ علماء نے اصولِ افتاء کو بھی ایک مستقل علم وفن کی حیثیت دی اور اس پر کتابیں تحریر فرمائی ہیں؛ تاکہ ایک مفتی اُن اصول وقواعد کی روشنی میں فتوی دے اور اللہ کی جانب سے حکم کو بیان کرنے میں آزادیٔ رائے ونفسانیت کا شکار نہ ہو جائے اور لوگوں کو راہِ ہدایت کے بجائے راہِ ضلالت پر نہ ڈال دے۔

اس حوالے سے لکھی گئی کتابوں میں سے ایک فقیہِ دوراں ومحققِ ذی شان امام سید محمد امین بن عابدین الشامی رحمہ اللہ کا لکھا ہوا شہرۂ آفاق متن: ''**عقود رسم المفتي**'' اور اُس کی شرح ''**شرح عقود رسم المفتي**'' بھی ہے، جو ''بہ قامت کہتر وبہ قیمت بہتر'' کا مصداق مانے گئے اور ایک طویل زمانے سے اربابِ علم وفضل اور اصحابِ فقہ وفتاوی کے درمیان میں قبولیت ومرجعیت کے مقام کے حامل ہیں؛ یہی نہیں، بل کہ تدریب الافتاء کے نصاب میں باقاعدہ اُن کو ایک اہم

جزء کی حیثیت دی گئی ہے۔

رسم المفتِي دراصل وہ علم ہے، جو فتوے دینے کے اصول وقواعد سے بحث کرتا ہے اور علمِ اصول الفقہ کا ایک اہم جزء شمار ہوتا ہے اور اس کے بغیر کوئی فقیہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، یہ وہ علم ہے جس سے ایک فقیہ کو ابوابِ فقہیہ علمیہ اور انسانی زندگی کے احوالِ عملیہ کے مابین تطبیق کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس علم کے اہم موضوعات میں سے حضراتِ فقہائے کرام کے طبقات ودرجات، مسائلِ فقہیہ کے طبقات ودرجات (ظاہر الروایت، نوادر، نوازل وغیرہ) اور کتبِ فقہیہ کے طبقات ودرجات، اختلافی مسائل میں ترجیح یا تطبیق کے اصول، روایاتِ متعددہ میں سے صحیح وضعیف اور اُصح وغیر اُصح، معتمد وغیر معتمد وشاذ اقوال کی معرفت وپہچان، مصالح کی رعایت، زمانے کا تغیر، رفعِ حرج اور تیسیر للناس کے اصول و ضوابط، نیز لوگوں کے طور وطریقے، مزاج ونفسیات، اَعراف وعادات، ضرورت وحاجت وغیرہ امور ہیں؛ ان سب کی روشنی میں ایک فقیہ ومفتی مختلف زندگی کے احوال وکوائف کی تطبیق فقہِ علمی میں تلاش کرتا اور لوگوں کو اُن کے مختلف احوال و ظروف، بدلتے اعراف وعادات، ان کے مزاج ونفسیات کے پیشِ نظر نئے نئے مسائل میں احکامِ شرع کی تحقیق کرتے ہوئے بھرپور رہبری کرتا ہے۔

امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے فقہائے کرام کی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اس مختصر جامع رسالے میں اُن تمام امور پر بحث وتحقیق کر کے ایک مفتی کے لیے سامانِ تفقہ جمع کر دیا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے اولاً "**عقود رسم المفتي**" کے نام سے اُن تمام اصولِ افتاء کو ایک منظومے کے شکل میں جمع کیا، پھر خود ہی اس کی جامع تشریح "**شرح عقود رسم المفتِي**" کے نام سے لکھی، جو

داخلِ نصاب ہے؛ مگر طالبین کی استعدادوں میں روز بہ روز ہونے والے تنزل کے پیشِ نظر بعض حضراتِ علمائے کرام نے اس کی مزید توضیح حواشی کی شکل میں یا اردو تشریح کی صورت میں لکھی ہے۔

میرے پیشِ نظر اِس وقت محترم مولانا مفتی محمد مرشد قاسمی صاحب زیدت معالیہم (استاذِ حدیث وفقہ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور) کا لکھا ہوا رسالہ "**عَوْنُ المُغني في حَلِّ عُقُود رَسْم المُفْتي**" ہے، جس میں اُنھوں نے مذکورہ بالا امام شامی رحمہ اللہ کے منظومے "**عقود رسم المفتي**" کا ترجمہ اور علامہ شامی رحمہ اللہ کی شرح کی روشنی میں اس کی مختصر شرح پیش کی ہے۔

مولانا مفتی محمد مرشد صاحب قاسمی زید مجدہ "جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم" کے مؤقر استاذ ہیں، جو حدیث وفقہ کی متعدد کتب کا کامیاب درس دیتے ہیں اور تصنیفی و تالیفی مشاغل بھی رکھتے ہیں، جامعہ مسیح العلوم میں جب قسم تدریب الافتاء کے طلبہ کے لیے "**شرح عقود رسم المفتي**" کی تدریس آپ کے ذمے کی گئی، تو دورانِ تدریس آپ نے محسوس کیا کہ شرح کے مضامین، چوں کہ متنوع ہیں اور بعض اوقات اصل مقصد سے زائد امور بھی اس میں کسی مناسبت و فائدے کے لیے زیرِ بحث آجاتے ہیں، جو طلبہ کے لیے کبھی اصل موضوع کو سمجھنے میں دقت پیدا کرتے ہیں، تو آپ نے منظومے کے ترجمے اور تشریح کا کام کر کے مزید امور کو شرح کے حوالے کر دیا ہے؛ تا کہ طلابِ کرام افتاء کے اصول کو اچھی طرح سمجھ سکیں، جو "**عقود رسم المفتي**" کا اصل مقصد ہے۔

میں نے مختلف مقامات سے اس رسالے کا مطالعہ کیا اور محسوس ہوا کہ طلبۂ کرام کے کے لیے مفتی محمد مرشد صاحب کی جانب سے ایک مفید و اچھی چیز وجود

میں آ گئی ہے اور تدریب الافتاء کے طلبہ اس سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو اصل کی طرح قبولیت سے نوازے اور طلابِ کرام کے لیے مفید وکارآمد اور مؤلف کے لیے باعث بلندی درجات بنائے۔ آمین یارب العالمین!

فقط

محمد شعیب اللہ خان

(مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

۲۵/ جمادی الاولی ۱۴۴۶ھ

۲۷/نومبر ۲۰۲۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دل کی بات

تقریباً تین سال پہلے (۱۴۴۳ھ = ۲۰۲۲ء) جب اس عاجز کے دوشِ ناتواں پر جامعہ (الجامعۃ الإسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور) میں "**شرح عقود رسم المفتي**" کی تدریس کی ذمے داری ڈالی گئی، اُس وقت سے مسلسل آہستہ آہستہ اِس بات کا احساس دل میں جڑ پکڑتا گیا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کی شرح تفصیلی ہے، اصولِ افتاء کی بنیادی باتیں محض شرح کی مدد سے طلبہ کے ذہن میں پوری طرح اتر جائیں، بہ ظاہر مشکل ہے، شرح کے تفصیلی ہونے کے ساتھ ساتھ طلبہ کی صلاحیتوں کا تفاوت بھی اِس بات کا کم احساس نہیں دلاتا، اعلیٰ درجے کے طلبہ اگرچہ بات کو سمجھ لیتے؛ مگر متوسط اور ادنیٰ درجے کے طلبہ (اور بالعموم اکثریت اِن کی ہی ہوتی ہے) کی گرفت سے کتاب بہ ظاہر باہر معلوم ہوتی، اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں۔

حضرت الاستاذ، بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی (محدّث دارالعلوم دیوبند) کی جب جامعہ کے ایک سیمینار (منعقدہ بہ روز ہفتہ، ۲۳/۱۱/۱۴۴۵ھ = ۱/۶/۲۰۲۴ء) میں شرکت کے لیے تشریف آوری ہوئی، تو اُس

موقع سے اِس عاجز نے حضرت کے سامنے ''شرح عقود رسم المفتي '' کے تفصیلی ہونے اور طلبہ کی ایک تعداد کی گرفت سے باہر ہونے کا تذکرہ کر کے مشورہ طلب کیا، کہ میں یہ چاہتا ہوں کے صرف اشعار کا با محاورہ ترجمہ کر کے، ضابطے اور قاعدے سے متعلق ضروری تشریح کردوں، اس سے ایک حد تک امید ہے کہ ہر طرح کے طلبہ کے لیے آسانی ہوجائے، آپ نے بات سننے کے بعد فرمایا کہ ''ہاں! اس کی ضرورت ہے، یہ کام کردو''۔

استاذِ محترم حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری (رحمہ اللہ) نے متن وشرح (عقود رسم المفتي اور شرح عقود رسم المفتي) کا مکمل ترجمہ: ''آپ فتویٰ کیسے دیں؟'' کے نام سے کر رکھا ہے؛ لیکن یہ طلبہ سے زیادہ اساتذہ کے لیے مفید ہے، حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم نے ''فتویٰ نویسی کے رہنما اصول'' کے نام سے نہایت ہی شان دار، بڑی ہی زبردست کتاب تصنیف فرما کر یقیناً اہلِ فتویٰ پر بہت بڑا احسان کیا ہے؛ لیکن حضرت والا کی کتاب مستقل ہے، اگرچہ کہ کافی حد تک حضرت نے وہ تمام باتیں لے لی ہیں، جو عقود رسم المفتي اور اس کی شرح میں مذکور ہیں؛ مگر یہ بات واضح ہے کہ آپ کے پیشِ نظر ''عقود رسم المفتي '' یا ''شرح عقود رسم المفتي '' کا ترجمہ وتشریح نہیں ہے۔ حضرت نے نہایت ہی عرق ریزی اور رات دن کی محنت سے ایک الگ ہی چیز تیار فرمائی ہے؛ اس لیے ہمارے اِن دونوں بڑوں کی مذکورہ بالا کتابوں کے موجود ہونے کے باوجود، دل میں یہ بات آئی کہ کسی آسان انداز میں ''عقود رسم المفتي اور شرح عقود رسم المفتي'' کے مضامین کو سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے؛ چناں چہ اِس حوالے سے کام کی ترتیب

دل میں یہ آئی کہ علامہ کا جو منظوم کلام ہے: ''**عقود رسم المفتي** ''اصل زمین اُسے بنائی جائے اور اُس کے حل کے لیے جہاں تک ''**شرح عقود رسم المفتي** '' کی باتوں کو لینا پڑے، لے لیا جائے؛ لہٰذا اِس ارادے کے مطابق کام شروع کیا گیا، تین کتابیں: ''آپ فتویٰ کیسے دیں؟''، ''فتویٰ نویسی کے رہنما اصول''، ''**شرح عقود رسم المفتي** ''اور حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ کا قیمتی حاشیہ (جو **شرح عقود رسم المفتي** کے اِس نسخے پر ہے، جو دکتور صلاح محمد اُبوالحاج کے اُصولِ اِفتاء سے متعلق نہایت ہی قیمتی مقدمے ''**إسعاد المفتي** '' کے ساتھ بیروت سے شائع ہے) سامنے رکھ کر کام شروع کیا گیا اور مندرجہ ذیل باتوں کی کوشش کی گئی:

(۱) اشعار پر درست اعراب لگائے گئے۔

(۲) ضروری ترکیبیں ذکر کی گئیں (یہ دونوں کام حضرت الاستاذ نے کر رکھا ہے؛ مگر طلبہ کے سامنے اصل کتاب ہوتی ہے اور اُس کے بھی متعدد نسخے ہیں، اُن کے مابین فرق بھی پایا جاتا ہے۔ ترکیب میں کہیں کہیں اِس ناچیز نے اضافہ بھی کیا ہے)۔

(۳) بامحاورہ ترجمہ کیا گیا اور ترجمے میں روانی وآسانی کے لیے جگہ جگہ بین القوسین کا سہارا لیا گیا۔

(۴) اشعار میں ضرورتِ شعری کی بنا پر اگر کوئی لفظ یا جملہ مقدم یا مؤخر ہو گیا ہے یا کسی دوسرے شعر میں چلا گیا ہے، تو ترجمہ اصل کے مطابق ہی آسانی کے لیے کر دیا گیا ہے اور اِس بات کی وہاں وضاحت بھی کر دی گئی ہے؛ تاکہ غلط فہمی نہ ہو، جیسے: ''**ما لم تصح عنه رواية** '' کا ترجمہ ایک ساتھ کیا گیا ہے، جب کہ ''**مالم**

تصح ’’ کا ذکر ایک شعر میں اور ’’**عنه روایة**‘‘ کا ذکر دوسرے میں ہے، اسی طرح ’’ **أو جل العظام قال به**‘‘ کا ترجمہ ایک ساتھ کیا گیا ہے، جب کہ ’’ **أو جل العظام**‘‘ کا لفظ ایک شعر میں اور ’’**قال به**‘‘ کا دوسرے میں ہے۔

(۵) علامہ شامی رحمہ اللہ نے منظومے میں فتویٰ نویسی کے جو کچھ اصول وضوابط بیان فرمائے ہیں، اس کی ضرورت بھر تشریح کی گئی، کوشش یہ رہی کہ مفہوم واضح ہونے تک، جتنا لکھنے کی ضرورت ہے، اُتنا لکھا جائے، اُس میں کنجوسی نہ کی جائے؛ مگر بلا وجہ بات کو طول دے کر، طلبہ کو اُلجھن میں مبتلا نہ کیا جائے، اکثر مقامات پر تفہیم میں آسانی کے لیے مثالیں بھی دی گئی ہیں؛ تا کہ یہ اصول وضابطے طلبہ کے ذہن میں خوب اچھی طرح راسخ ہو جائیں۔

اس تشریح کے کام میں مذکورہ بالا چاروں کتابیں پوری طرح سامنے رہیں، تفہیم میں آسانی کے لیے مکمل طور پر اِن سے فائدہ اٹھایا گیا، خاص طور پر حضرت الاستاذ حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ کا ترجمہ: ’’آپ فتویٰ کیسے دیں؟‘‘ اور حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم کی کتاب: ’’فتویٰ نویسی کے رہنما اصول‘‘ نے اس کام میں مکمل رہنمائی اور دستگیری فرمائی؛ بل کہ اگر میں اپنی اِس معمولی کوشش میں، کسی درجے میں کام یاب ہوں، تو بہ طورِ اخص اِس میں ’’فتویٰ نویسی کے رہنما اصول‘‘ کی کامل رہنمائی شامل ہے۔ اللہ پاک اِن دونوں اکابر کو اپنی شایانِ شان بھر پور بدلہ عطا فرمائیں!

میں اپنی اِس معمولی سی کوشش کے منظرِ عام پر آتے ہوئے، اپنے مکتب میں پڑھانے والے اساتذہ سے لے کر دار العلوم دیو بند تک کے، کسی ایک استاذ کو بھی فراموش نہیں کرسکتا، کہ جس وقت میرے غریب ماں باپ نے اپنی بے سروسامانی

کے عالم میں مجھے ان بزرگوں کے حوالے کیا، اُس وقت اِنھوں نے میری تعلیم وتربیت پر جس قدر توجہ دی، جس شفقت ومحبت کا معاملہ کیا، مجھے کسی لائق بنانے کی اِنھوں نے جو فکر وکوشش کی، اِن سب کے بیان کے لیے اب میرے پاس الفاظ نہیں، سوچ سوچ کر آنکھوں میں چھلک آنے والے صرف آنسو ہیں؛ یہ اور بات ہے کہ میرے اندر اَخذ وحصول کی مطلقاً صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے میں ''کورے کا کورا'' ہی رہ گیا۔

اِن میں سے اکثر آج بھی باحیات ہیں اور اِن کی شفقتیں اب بھی مجھے حاصل ہیں، اللہ پاک اِن تمام کو اپنی شایانِ شان بہترین بدلہ نصیب فرمائیں۔

بالخصوص استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی (استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث دار العلوم دیوبند) واستاذِ محترم مفتی محمد اشفاق صاحب قاسمی دامت برکاتہم (استاذ حدیث وفقہ دار العلوم امدادیہ، ممبئ)، نبیرۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری (استاذ حدیث دار العلوم دیوبند) اور مخدومِ گرامی حضرت اقدس مہتمم صاحب (مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب) زید فضلہ وعمت فیوضہ کا شکر گذار ہوں، کہ جنھوں نے اپنی مصروفیتوں کے باوجود، اِس معمولی سی تحریر پر بالترتیب تقاریظ وتأثرات وبیش قیمت مقدمہ تحریر فرما کر، نہ یہ کہ صرف کتاب کی افادیت ونافعیت میں اضافہ فرمایا؛ بل کہ اِس عاجز کی بھی حوصلہ افزائی کی۔

بالأخص استاذِ محترم، بحر العلوم حضرت اقدس مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی زید مجدہم (محدّث دار العلوم دیوبند) کا بہت زیادہ احسان مند ہوں، کہ جنھوں نے پیرانہ سالی اور ضعف وکمزوری کے باوجود، اِس ناکارے کی جیسی تیسی تحریر کو

ملاحظہ کیا؛ نیز اِس پر اپنی قیمتی تقریظ ثبت فرما کر شفقت ومحبت کی بھی انتہا کر دی ۔فجزاھم اللہ تعالی خیر الجزاء!

عزیزم مولانا ''نثار احمد'' (استاذ مدرسہ عربیہ شاہد العلوم، ہبلی، کرناٹک) نے کمپوزنگ وغیرہ کے کام کو نہایت خوش اسلوبی اور خندہ پیشانی سے انجام دیا، اُن کے لیے بھی دل سے دعا ہے کہ اللہ پاک اُنھیں دین ودنیا کی سرخروئی نصیب فرمائیں۔

ایک مشورہ! اس ناچیز کا جب دار العلوم دیوبند میں شعبۂ اِفتاء میں داخلہ ہوا، اُس وقت حضرت الاستاذ حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری ﷫ (سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین، دار العلوم دیوبند) نے دار العلوم میں سبق شروع ہونے سے پہلے ہی، اس عاجز کو ''**عقود رسم المفتي** '' کے مکمل چوہتر (۷۴) اشعار حفظ کروا کر اولاً خود سنا، ثانیاً یہ فرمایا کہ اس کا ترجمہ بھی لکھ کر لاؤ ،حسبِ حکم لکھ کر دکھا دیا گیا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ''جاؤ! اب زیادہ توجہ تمرین پر دو، شرح استاذ تو پڑھا ہی دیں گے۔ میرے زمانۂ طالبِ علمی میں صرف یہی ایک کتاب: **شرح عقود رسم المفتي** پڑھائی جاتی تھی، باقی پوری توجہ تمرین پر دی جاتی تھی۔'' (حضرت الاستاذ کی بات مکمل ہوئی۔)

اس ناچیز کے ذمے جب اس کتاب کا سبق آیا، تو اِس نے بھی اپنے محسن و مرشد کے عمل کے مطابق یہی طریقہ اختیار کیا کہ پہلے طلبہ کو مکمل اشعار حفظ کرا دیتا ہے، پھر مختصر تشریح کے ساتھ صرف اشعار کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے بعد باضابطہ طور پر کتاب ''**شرح عقود رسم المفتي** '' شروع کراتا ہے، اس کا نفع ہر طالبِ علم محسوس کرتا ہے ، ہفتے میں ایک دن تمام اشعار کے زبانی سننے کا بھی

اہتمام کرتا ہے؛ لہٰذا راقم السطور اس کتاب کے پڑھانے والے اپنے جیسے بھائیوں سے گذارش کرتا ہے (بڑوں کو کیسے مشورہ دے سکتا ہے، ''چھوٹا منھ بڑی بات'') کہ آپ بھی اس کتاب کی تدریس میں اگر اس طریقے کو اپنائیں، تو اِن شاء اللہ زیادہ نفع کی قوی امید ہے۔

اخیر میں اللہ پاک سے دست بہ دعا ہوں کہ اِس ٹوٹی پھوٹی کوشش میں باقی رہ جانے والی ہر طرح کی خامیوں سے درگذر فرما کر اپنی بارگاہِ عالی میں شرفِ قبولیت بخش دیں، آمین !!

بسم الله الرحمن الرحيم

متن: عقود رسم المفتي

١	بِاسْمِ الْإِلٰهِ، شَارِعِ الْأَحْكَامْ	❖	مَعَ حَمْدِهٖ أَبْدَأُ فِيْ نِظَامِيْ
٢	ثُمَّ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ سَرمَدَا	❖	عَلٰى نَبِيٍّ قَدْ أَتَانَا بِالْهُدٰى
٣	وَآلِهٖ وَصَحْبِهِ الْكِرَامْ	❖	عَلٰى مَمَرِّ الدَّهْرِ وَالْأَعْوَامْ
٤	وَبَعْدُ فَالْعَبْدُ الْفَقِيْرُ الْمُذْنِبُ	❖	مُحَمَّدُ بْنُ عَابِدِيْنَ يَطْلُبُ
٥	تَوْفِيْقَ رَبِّهِ الْكَرِيْمِ الْوَاحِدْ	❖	وَالْفَوْزَ بِالْقَبُوْلِ فِي الْمَقَاصِدْ
٦	وَفِيْ نِظَامِ جَوْهَرٍ نَضِيْدْ	❖	وَعِقْدِ دُرٍّ بَاهِرٍ فَرِيْدْ
٧	وَسَمَّيْتُهٗ عُقُوْدَ رَسْمِ الْمُفْتِيْ	❖	يَحْتَاجُهُ الْعَامِلُ أَوْ مَنْ يُّفْتِيْ
٨	وَهَا أَنَا أَشْرَعُ فِي الْمَقْصُوْدْ	❖	مُسْتَمْنِحًا مِنْ فَيْضِ بَحْرِ الْجُوْدْ
٩	اِعْلَمْ بِأَنَّ الْوَاجِبَ اتِّبَاعُ مَا	❖	تَرْجِيْحُهٗ عَنْ أَهْلِهٖ قَدْ عُلِمَا
١٠	أَوْ كَانَ ظَاهِرَ الرِّوَايَةِ وَلَمْ	❖	يُرَجِّحُوْا خِلَافَ ذَاكَ فَاعْلَمْ
١١	وَكُتُبُ ظَاهِرِ الرِّوَايَاتِ أَتَتْ	❖	سِتًّا، وَبِالْأُصُوْلِ أَيْضاً سُمِّيَتْ
١٢	صَنَّفَهَا مُحَمَّدُ نِ الشَّيْبَانِيْ	❖	حَرَّرَ فِيْهَا الْمَذْهَبَ النُّعْمَانِيْ
١٣	اَلْجَامِعُ الصَّغِيْرُ وَالْكَبِيْرُ	❖	وَالسِّيَرُ الْكَبِيْرُ وَالصَّغِيْرُ

١٤	ثُمَّ الزِّيَادَاتُ مَعَ الْمَبْسُوطِ	تَوَاتَرَتْ بِالسَّنَدِ الْمَضْبُوطِ
١٥	كَذَا لَهُ مَسَائِلُ النَّوادِرِ	إِسْنَادُهَا فِي الْكُتُبِ غَيْرُ ظَاهِرِ
١٦	وَبَعْدَهَا مَسَائِلُ النَّوَازِلِ	خَرَّجَهَا الْأَشْيَاخُ بِالدَّلَائِلِ
١٧	وَاشْتَهَرَ الْمَبْسُوطُ بِالْأَصْلِ، وَذَا	لِسَبْقِهِ السِّتَّةَ تَصْنِيفًا كَذَا
١٨	اَلْجَامِعُ الصَّغِيرُ بَعْدَهُ ، فَمَا	فِيهِ عَلَى الْأَصْلِ، لِذَا تَقَدَّمَا
١٩	وَآخِرُ السِّتَّةِ تَصْنِيفًا وَرَدْ	اَلسِّيَرُ الْكَبِيرُ، فَهُوَ الْمُعْتَمَدْ
٢٠	وَيَجْمَعُ السِّتَّ كِتَابُ الْكَافِيْ	لِلْحَاكِمِ الشَّهِيدِ فَهُوَ الْكَافِيْ
٢١	أَقْوٰى شُرُوحِهِ الَّذِيْ كَالشَّمْسِ	مَبْسُوطُ شَمْسِ الْأُمَّةِ السَّرَخْسِيْ
٢٢	مُعْتَمَدُ النُّقُولِ، لَيْسَ يُعْمَلُ	بِخُلْفِهِ ، وَلَيْسَ عَنْهُ يُعْدَلُ
٢٣	وَاعْلَمْ بِأَنَّ عَنْ أَبِيْ حَنِيفَهْ	جَاءَتْ رِوَايَاتٌ غَدَتْ مُنِيفَهْ
٢٤	اِخْتَارَ مِنْهَا بَعْضَهَا ، وَالْبَاقِيْ	يَخْتَارُ مِنْهُ سَائِرُ الرِّفَاقِ
٢٥	فَلَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهِ جَوَابُ	كَمَا عَلَيْهِ أَقْسَمَ الْأَصْحَابُ
٢٦	وَحَيْثُ لَمْ يُوجَدْ لَهُ اخْتِيَارُ	فَقَوْلُ يَعْقُوبَ هُوَ الْمُخْتَارُ
٢٧	ثُمَّ مُحَمَّدٍ ، فَقَوْلُهُ الْحَسَنْ	ثُمَّ زُفَرٍ، وَابْنِ زِيَادِنِ الْحَسَنْ
٢٨	وَقِيلَ بِالتَّخْيِيرِ فِي فَتْوَاهُ	إِنْ خَالَفَ الْإِمَامَ صَاحِبَاهُ
٢٩	وَقِيلَ مَنْ دَلِيلُهُ أَقْوٰى رَجَحْ	وَذَا لِمُفْتٍ ذِي اجْتِهَادِنِ الْأَصَحْ
٣٠	فَالْآنَ لَا تَرْجِيحَ بِالدَّلِيلِ	فَلَيْسَ إِلَّا الْقَوْلُ بِالتَّفْصِيلِ

٣١	مَا لَمْ يَكُنْ خِلافُهُ الْمُصَحَّحَا	فَنَأْخُذُ الَّذِي لَهُمْ قَدْ وَضَحَا
٣٢	فَإِنَّنَا نَرَاهُمُوْ قَدْ رَجَّحُوْا	مَقَالَ بَعْضِ صَحْبِهٖ ، وَصَحَّحُوْا
٣٣	مِنْ ذَاكَ مَا قَدْ رَجَّحُوْا لِزُفَرِ	مَقَالَهُ فِيْ سَبْعَةٍ وَّعَشَرِ
٣٤	ثُمَّ إِذَا لَمْ تُوجَدِ الرِّوَايَهْ	عَنْ عُلَمَائِنَا ذَوِيْ الدِّرَايَهْ
٣٥	وَاخْتَلَفَ الَّذِيْنَ قَدْ تَأَخَّرُوْا	يُرَجَّحُ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ
٣٦	مِثْلُ الطَّحَاوِيْ وَأَبِيْ حَفْصِ الْكَبِيْرْ	وَأَبَوَيْ جَعْفَرٍ وَاللَّيْثِ الشَّهِيْرْ
٣٧	وَحَيْثُ لَمْ تُوجَدْ لِهٰؤُلَاءِ	مَقَالَةٌ ، وَاحْتِيجَ لِلْإِفْتَاءِ
٣٨	فَلْيَنْظُرِ الْمُفْتِيْ بِجِدٍّ وَّاجْتِهَادْ	وَلْيَخْشَ بَطْشَ رَبِّهٖ يَوْمَ الْمَعَادْ
٣٩	فَلَيْسَ يَجْسُرُ عَلَى الْأَحْكَامِ	سِوٰى شَقِيٍّ خَاسِرِ الْمَرَامِ
٤٠	وَهٰهُنَا ضَوَابِطُ مُحَرَّرَهْ	غَدَتْ لَدٰى أَهْلِ النُّهٰى مُقَرَّرَهْ
٤١	فِيْ كُلِّ أَبْوَابِ الْعِبَادَاتِ رُجِّحْ	قَوْلُ الْإِمَامِ مُطْلَقًا ، مَا لَمْ تَصِحْ
٤٢	عَنْهُ رِوَايَةٌ بِهَا الْغَيْرُ أَخَذْ	مِثْلُ تَيَمُّمٍ لِمَنْ تَمْرًا نَّبَذْ
٤٣	وَكُلُّ فَرْعٍ بِالْقَضَا تَعَلَّقَا	قَوْلُ أَبِيْ يُوْسُفَ فِيْهِ يُنْتَقٰى
٤٤	وَفِيْ مَسَائِلِ ذَوِي الْأَرْحَامِ قَدْ	اَفْتَوْا بِمَا يَقُوْلُهُ مُحَمَّدْ
٤٥	وَرَجَّحُوْا اسْتِحْسَانَهُمْ عَلَى الْقِيَاسْ	اِلَّا مَسَائِلَ، وَمَا فِيْهَا الْتِبَاسْ
٤٦	وَظَاهِرُ الْمَرْوِيِّ، لَيْسَ يُعْدَلُ	عَنْهُ إِلَى خِلَافِهٖ ، إِذْ يُنْقَلُ
٤٧	لَا يَنْبَغِي الْعُدُوْلُ عَنْ دِرَايَهْ	إِذَا أَتٰى بِوَفْقِهَا رِوَايَهْ

٤٨	وَكُـلُّ قَـوْلٍ جَـاءَ يَـنْفِي الْكُفْرَا	عَـنْ مُسْلِمٍ، وَلَوْ ضَعِيفًا أَحْرٰى
٤٩	وَكُـلُّ مَـا رَجَـعَ عَـنْهُ الْمُجْتَهِدْ	صَارَ كَمَنْسُوْخٍ، فَغَيْرُهُ اعْتُمِدْ
٥٠	وَكُـلُّ قَوْلٍ فِـي الْـمُتُوْنِ اُثْبِتَـا	فَـذَاكَ تَـرْجِيـحٌ لَهُ ضِمْنًا أَتٰى
٥١	فَرُجِّحَتْ عَلَى الشُّرُوْحِ، وَالشُّرُوْحْ	عَـلَـى الْفَتَاوَى الْقِلَمِ مِنْ ذَاتِ رُجُوْحْ
٥٢	مَـا لَـمْ يَكُنْ سِوَاهُ لَفْظًا صُحِّحَا	فَـالْأَرْجَـحُ الَّـذِيْ بِهٖ قَدْ صُرِّحَا
٥٣	وَسَـابِقُ الْأَقْـوَالِ فِـي الْخَانِيَّـهْ	وَمُـلْتَقَـى الْأَبْـحُـرِ ذُوْ مَـزِيَّـهْ
٥٤	وَفِـيْ سِوَاهُمَا اعْتُمِدَ مَا أَخَّرُوْا	دَلِيْـلَـــهُ لِأَنَّـــهُ الْـمُـحَـرَّرْ
٥٥	كَـمَـا هُـــوَ الْعَادَةُ فِـي الْهِدَايَهْ	وَنَـحْـوِهَـا لِـرَاجِـحِ الـدِّرَايَـهْ
٥٦	وَكَـذَا اِذَا مَـا وَاحِـدًا قَدْ عَلَّلُوْا	لَـهُ، وَتَـعْـلِيْـلَ سِـوَاهُ أَهْـمَلُوْا
٥٧	وَحَيْثُـمَـا وَجَدْتَّ قَوْلَيْنِ، وَقَدْ	صُـحِّحَ وَاحِدٌ، فَذَاكَ الْمُعْتَمَدْ
٥٨	بِـنَـحْوِ: ذَا الْفَتْوٰى عَلَيْهِ الْأَشْبَهْ	وَالْأَظْهَـرُ الْمُخْتَارُ ذَا وَالْأَوْجَهْ
٥٩	أَوِ الـصَّحِيْـحُ وَالْأَصَـحُّ، اٰكَدْ	مِـنْـهُ، وَقِيْـلَ: عَكْسُهُ الْمُؤَكَّدْ
٦٠	كَـذَا: بِـهٖ يُفْتٰـى، عَلَيْهِ الْفَتْوٰى	وَذَانِ مِـنْ جَـمِيْـعِ تِلْكَ أَقْوٰى
٦١	وَإِن تَـجِدْ تَصْحِيْحَ قَوْلَيْنِ وَرَدْ	فَاخْتَرْ لِمَا شِئْتَ، فَكُلٌّ مُّعْتَمَدْ
٦٢	إِلَّا إِذَا كَـانَـا صَـحِيْـحًا وَّأَصَحْ	أَوْقِيْـلَ: ذَا يُـفْتٰـى بِهٖ فَقَدْ رَجَحْ
٦٣	أَوْكَانَ فِي الْمُتُوْنِ أَوْ قَوْلَ الْإِمَامْ	أَوْظَـاهِـرَ الْمَرْوِيِّ أَوْجُلُّ الْعِظَامْ
٦٤	قَـالَ بِـهٖ، أَوكَـانَ الْإِسْتِحْسَانَا	اَوْ زَادَ لِلْأَوْقَـافِ نَـفْـعًـا بَـانَـا

٦٥	أَوْ كَـــانَ ذَا أَوْفَـقَ لِلـزَّمَـانِ	✤	أَوْ كَـانَ ذَا أَوْضَـحَ فِي الْبُرْهَانِ
٦٦	هٰـذَا إِذَا تَـعَـارَضَ التَّـصْحِيْحُ	✤	أَوْلَـمْ يَـكُـنْ أَصْلًا بِـهٖ تَصْرِيْحُ
٦٧	فَتَــأْخُـذُ الَّـذِي لَـهُ مُـرَجِّحُ	✤	مِـمَّـا عَـلِـمْتَـهُ ، فَهٰذَا الْأَوْضَحُ
٦٨	وَاعْـمَـلْ بِـمَفْهُوْمِ رِوَايَاتٍ أَتٰى	✤	مَـا لَـمْ يُـخَـالِفْ لِصَرِيحٍ ثَبَتَا
٦٩	وَالْـعُـرْفُ فِي الشَّرْعِ لَهُ اعْتِبَارْ	✤	لِـذَا عَـلَيْــهِ الْـحُـكْـمُ قَـدْ يُدَارْ
٧٠	وَلَا يَـجُـوْزُ بِـالـضَّعِيْفِ الْعَمَلْ	✤	وَلَا بِـهٖ يُـجَـابُ مَـنْ جَاءَ يَسْأَلْ
٧١	إِلَّا لِـعَـــامِـلٍ لَـــهُ ضَــرُوْرَهْ	✤	أَوْمَــنْ لَـــهُ مَـعْـرِفَةٌ مُّشْـهُـوْرَهْ
٧٢	لٰـكِـنَّـمَـا الْـقَاضِيْ بِهٖ لَا يَقْضِيْ	✤	وَإِنْ قَـضَـا فَـحُـكْـمُهُ لَا يَمْضِيْ
٧٣	لَاسِيَّـــمَـا قُـضَـاتُـنَـا إِذْ قُيِّـدُوْا	✤	بِـرَاجِـحِ الْمَذْهَبِ حِيْنَ قُلِّدُوْا
٧٤	وَتَـمَّ مَـا نَـظَـمْـتُـهُ فِيْ سِلْكِ	✤	وَالْـحَـمْـدُ لِلّٰـهِ خِتَامُ مِسْكِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد وصلاۃ سے منظومے کا آغاز

١	بِـاسْـمِ الْـإِلٰهِ ، شَارِعِ الْأَحْكَام	❖	مَـعَ حَـمْـدِهِ أَبْـدَأُ فِـيْ نِظَـامِيْ
٢	ثُــمَّ الصَّلٰوةُ وَالـسَّلَامُ سَرمَدَا	❖	عَـلٰى نَبِـيٍّ قَـدْ أَتَـانَـا بِالْهُدٰى
٣	وَآلِــــهٖ وَصَـحْـبِـــهِ الْـكِـرَام	❖	عَـلَـى مَـمَـرِّ الـدَّهْرِ وَالْأَعْوَام

ترجمۃ: [١] احکام شریعت کو مقرر کرنے والے اللہ کے نام کی مدد اور اُس کی حمد سے میں اپنے منظوم کلام کا آغاز کر رہا ہوں۔

[٢] پھر ہمیشہ ہمیش درود وسلام ہو، ہمارے پاس ہدایت لانے والے نبی پر۔

[٣] نیز آپ کے خاندان والوں اور آپ کے معزز صحابہ پر، جب تک کہ زمانہ وسال چلتے رہیں (قیامت تک)۔

لغات: شارع: اسم فاعل، شرع (ف) شرعاً للقوم، قانون بنانا شریعت جاری کرنا۔

نظام: مصدر (ض) موتی پرونا، بمعنی اسم مفعول (پرویا ہوا، نظم)

سرمد: ابدی، نہ ختم ہونے والا، لیلٌ سرمدٌ: لمبی رات۔

صحبٌ: صاحبٌ کی جمع (س) ساتھی

کرام: کریم کی جمع، معزز، قابلِ تعریف۔

ممر: مصدرِ میمی، (ن) گزرنا، گزرجانا، آگے بڑھ جانا۔ **أعوام:** عام کی جمع، سال۔

شرح: علامہ شامی رحمہ اللہ نے کسی بھی اچھے کام کے آغاز سے متعلق احادیثِ شریفہ اوراس سلسلے میں اسلاف واکابر کی صالح روایت کے پیشِ نظر اپنے اس منظوم کلام: (**عقود رسم المفتي**) کا آغاز، اللہ پاک کے مبارک نام سے برکت ومدد لیتے ہوئے اور اللہ پاک کی تعریف کرتے ہوئے کیا ہے، پھر کائنات کی سب سے عظیم ہستی پر درود وسلام کا نذرانہ پیش کیا، ان کے بعد روئے زمین پر جو سب سے عمدہ لوگ تھے، یعنی آپ کے خاندان کے لوگ اور آپ کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے لیے سلامتی کی دعا کی۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کی دعا

۴	وَبَعْدُ فَالعَبْدُ الْفَقِيْرُ الْمُذْنِبُ	✦	مُحَمَّدُ بْنُ عَابِدِيْنَ يَطْلُبُ
۵	تَوْفِيْقَ رَبِّهِ الْكَرِيْمِ الْوَاحِدِ	✦	وَالْفَوْزَ بِالْقَبُوْلِ فِي الْمَقَاصِدِ
٦	وَفِيْ نِظَامِ جَوْهَرٍ نَضِيْدِ	✦	وَعِقْدِ دُرٍّ بَاهِرٍ فَرِيْدِ

ترجمہ: [۴] حمد وصلاۃ کے بعد محتاج، گنہگار بندہ: محمد بن عابدین۔

[۵] اپنے یکتا (واحد) کریم رب کی توفیق (کام کی بہتری وتکمیل کے سلسلے میں) طلب کرتا ہے۔ (اسی طرح) مقاصد میں قبولیت۔

[٦] نیز مرتب جوہر کے پرونے اور یکتا، زبردست (بے مثال) موتیوں کے ہار بنانے میں (کام یابی کا طالب ہے)۔

لغات: نضید: مرتب، بمعنی منضود، نضد الشيء (ض) نضداً، تہ بہ

تہ رکھنا، ترتیب سے لگانا۔

باهر: ممتاز، زبردست، فائق، **بهر فلان نظراء ه (ف)** فائق وبرتر ہونا۔

الفريد: یکتا، بے مثال۔

ترکیب :العبد : **يطلب** کا فاعلِ مقدم ہے۔"**توفيق**" **يطلب** کا مفعول بہ ہے۔"**والفوز**" کا عطف "**توفيق**" پر ہے،"**في نظام**"کا عطف "**قبول**" پر اور "**عقد**" کا عطف "**في نظام**" پر ہے۔

شَرح : ان اشعار میں علامہ رحمہ اللہ نے مقاصد کی تکمیل کے لیے اللہ پاک سے توفیق طلب کی ہے اور مقاصد میں کام یابی کے حصول کے لیے دعا مانگی ہے۔

منظومے کا نام اور اس کی وضاحت

۷	وَسَمَّيْتُهُ عُقُوْدَ رَسْمِ الْمُفْتِيْ	❖	يَحْتَاجُهُ الْعَامِلُ أَوْ مَنْ يُّفْتِيْ
۸	وَهَا أَنَا أَشْرَعُ فِي الْمَقْصُوْدِ	❖	مُسْتَمْنِحًا مِنْ فَيْضِ بَحْرِ الْجُوْدِ

ترجمۃ : [۷] اِس منظومے کا نام میں نے "**عقود رسم المفتي**" (مفتی کی راہ نمائی کے لیے منظوم ہدایات) رکھا ہے، اِس (منظومے) کی ضرورت خود عمل کرنے والے اور دوسروں کو فتویٰ دینے والے کو (برابر) ہے۔

[۸] لیجیے! اب میں سخاوت کے سمندر کے فیض سے عطیہ طلب کرتے ہوئے، اپنے مقصد کا آغاز کر رہا ہوں۔

وضاحت:مستمنحاً: **أشرع** کی ضمیر سے حال ہے۔**استمنحه** : کسی سے عطیہ طلب کرنا، **منحه الشيء: (ف)** دینا، عطا کرنا۔

شَرح : پہلے مصرع میں علامہ رحمہ اللہ نے اپنے منظومے کا نام بیان فرمایا ہے کہ میں نے اِس کا نام ''عقود رسم المفتي'' رکھا ہے، ''عقود'': جمع ہے ''عقد'' کی، ہار۔ مراد منظوم کلام۔ ''رسم'' : علامت، جس کے ذریعے مسافر راستے کی راہ نمائی پاتا ہے؛ لہٰذا ''عقود رسم المفتي '' کا معنیٰ ہوا: فتویٰ دینے کے سلسلے میں مفتی کی راہ نمائی کرنے والا منظوم کلام۔

دوسرے مصرع میں اس کی اہمیت وضرورت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس منظومے کی ضرورت خود عمل کرنے والے اور دوسروں کو مسئلہ بتانے والے (مفتی) کو یکساں ہے یعنی یہ منظومہ بہت ہی اہم ہے؛ اس لیے کہ یہ ہر ایک کی ضرورت ہے۔

دوسرے شعر میں علامہ رحمہ اللہ نے یہ فرمایا کہ اب تمہیدی گفتگو سے فارغ ہو کر، اللہ پاک کی مدد سے مقصد کو بیان کرنے کے سلسلے کا آغاز کر رہا ہوں۔

راجح قول پر فتویٰ دینا ضروری ہے

۹	اِعْلَمْ بِأَنَّ الْوَاجِبَ اتِّبَاعُ مَا	❖	تَرْجِيْحُهُ عَنْ أَهْلِهِ قَدْ عُلِمَا
۱۰	أَوْ كَانَ ظَاهِرَ الرِّوَايَةِ وَلَمْ	❖	يُرَجِّحُوْا خِلَافَ ذَاكَ فَاعْلَمْ

تَرجَمۃ : [۹] (فتویٰ دینے کے سلسلے میں) یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ترجیح دینے کی صلاحیت رکھنے والے ائمہ کی جانب سے جس قول کی ترجیح ہو گئی ہو، اُسی قول کے مطابق فتویٰ دینا ضروری ہے۔

[۱۰] (یا پھر یہ کہ) وہ قول (جس کے مطابق فتویٰ دیا جا رہا ہو) ظاہر الروایۃ ہو، نیز علمائے ترجیح نے اُس ظاہر روایہ کے علاوہ قول کو راجح قرار نہ دیا ہو، اسے

اچھی طرح سمجھ لیجیے۔

مُلاحَظة: ” عُلِمَا “ میں الف اِشباع کا ہے، اصل ” عُلم “ ہے، ضرورتِ شعری کی بنا پر ایسا کیا گیا ہے۔

”اِشباع“ کہتے ہیں ضمے کو واو، فتحے کو الف اور کسرے کو یاء بنا دینے کو۔ شعر کے وزن کی درستگی کے لیے ضرورت پر ایسا کیا جاتا ہے؛ یہ الف اس منظومے میں مجموعی طور پر بارہ مقامات پر آیا ہے۔

تفصیل یہ ہے: شعر/۹: (علما) میں۔ شعر/۱۸: (تقدما) میں۔ شعر/۳۱: (المصححا) اور (وضحا) میں۔ شعر/۴۳: (تعلقا) میں۔ شعر/۴۸: (الكفرا) میں۔ شعر/۵۰: (أثبتا) میں۔ شعر/۵۲: (صححا) اور (صرحا) میں۔ شعر/٦۴: (الاستحسانا) اور (بانا) میں۔ شعر/٦٨: (ثبتا) میں۔ اور ایک جگہ شعر/۳۲: (نراهموا) میں واو استعمال ہوا ہے۔

شَرح: علامہ شامی رحمہ اللہ نے ان دو شعر میں فتویٰ نویسی کے تین ضابطے بیان فرمائے ہیں:

پہلا ضابطہ یہ بیان فرمایا کہ فتویٰ دینے، اِسی طرح خود عمل کرنے کے وقت مفتی کے لیے لازم ہے کہ وہ اُس قول کو اختیار کرے، جسے علمائے اہلِ ترجیح نے راجح قرار دیا ہو، غور وفکر اور تحقیق کے بغیر متعدد ومختلف منقول اقوال میں سے کسی پر بھی فتویٰ دے دینا درست نہیں؛ بل کہ کسی ایک آدھ کتاب میں، اگر کسی قول کو راجح قرار دیا گیا ہو، تو اُس پر بھی فوراً اطمینان کر کے فتویٰ دینا درست نہیں؛ جب تک کہ مفتی متعدد کتابوں کی مراجعت اور تحقیق کے بعد اُس قول کی تصحیح کو یقینی نہ بنالے؛ کیوں کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کتاب میں کسی مرجوح قول کی تصحیح

آجاتی ہے اور پھر لوگ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہوئے اسی کو مفتیٰ بہ لکھتے ہیں؛ جب کہ وہ حقیقت میں غیر مفتیٰ بہ ہوتا ہے؛ اس لیے فتوے سے پہلے اچھی طرح تحقیق ضروری ہے۔

اسی طرح مفتی اگر مجتہد ہے، تو اُس پر بھی لازم ہے کہ اُس کے نزدیک جو قول دلیل کی بنیاد پر راجح ہو، اُس کی پیروی کرے؛ ہاں! اگر دلائل متعارض ہوں اور اُن میں ترجیح کسی بھی طرح ممکن نہ ہو، تو پھر ایسی صورت میں کسی بھی قول کو اختیار کرسکتا ہے۔

راجح قول پر فتوے کی مثال

وتر سے متعلق امام صاحب رحمہ اللہ کی تین روایتیں ہیں: (۱) فرض۔ (۲) واجب۔ (۳) سنتِ مؤکدہ؛ یہی حضراتِ صاحبین رحمہما اللہ کا بھی قول ہے؛ مگر مشائخِ احناف نے اِن تینوں روایتوں میں سے وجوب کی روایت کو ترجیح دی ہے؛ لہٰذا اَب مفتی کے لیے لازم وضروری ہے کہ اِسی وجوب کی روایت کے مطابق فتویٰ دے؛ کیوں کہ یہی راجح ہے اور راجح قول سے عدول جائز نہیں۔

مذہب کے راجح قول کے مطابق فتویٰ دینے کا مسئلہ اجماعی ہے اور اِس کی پابندی اِس لیے لازم ہے کہ انسان نفس کا بندہ نہ بن جائے کہ جہاں جس قول کو اختیار کرنے میں فائدہ نظر آئے، اُسے اختیار کرلے۔

ظاہر الروایۃ پر فتویٰ

علامہ نے دوسرا ضابطہ یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی مسئلے میں صراحۃً راجح قرار دیا ہوا قول نہ ہو، تو اُس قول پر فتویٰ دیا جائے گا، جو ظاہر الروایۃ میں ہو؛ کیوں کہ متعدد

اقوال میں سے کسی ایک کی صراحۃً ترجیح نہ ہونے کی صورت میں ظاہر الروایۃ خود بہ خود ترجیح کی مقتضی ہوتی ہے۔

ظاہر الروایۃ پر فتوے کی مثال

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ''طَلِّقِي نَفْسَکِ!'' (تو اپنے آپ کو طلاق دے لے) بیوی نے جواب میں کہا: ''أَبَنْتُ نَفْسِي'' (میں نے اپنے آپ کو طلاقِ بائن دے لی)، تو ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ اِس صورت میں اُس خاتون پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہو جائے گی، جب کہ امام صاحب رحمہ اللہ کا ایک قول غیر ظاہر الروایۃ میں یہ ہے کہ اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، یہاں فتویٰ ظاہر الروایۃ پر ہے کہ اِس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

مسئلے کی مکمل تفصیلات اور دلائل کے لیے دیکھئے: (هداية، الطلاق، تفويض الطلاق، فصل في المشية :۲/۳۶۰-۳۶۱)

غیر ظاہر الروایۃ پر فتویٰ

تیسرا ضابطہ علامہ نے یہ بیان فرمایا کہ اگر علمائے مذہب نے کسی علت کی بنیاد پر ظاہر الروایۃ کو چھوڑ کر، غیر ظاہر الروایۃ پر فتویٰ دینے کی صراحت کی ہو، تو ایسی صورت میں مفتی مقلد پر لازم ہے کہ وہ علمائے مذہب کی پیروی کرتے ہوئے غیر ظاہر الروایہ کے مطابق فتویٰ دے۔

غیر ظاہر الروایۃ پر فتوے کی مثال

غیر مستبین الخلقت بچے کے متعلق ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ جو بچہ غیر تام الخلقت (ایسا بچہ کہ پیدائش کے وقت، جس کے بعض اُعضاء بنے ہوئے ہوں اور بعض بنے

ہوئے نہ ہوں) پیدا ہو، تو اُسے غسل کے بغیر ہی، کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا؛ مگر غیر ظاہر الروایۃ میں ہے کہ اُسے غسل دیا جائے گا اور اُسے ہی مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے؛ لہٰذا جب غیر ظاہر الروایۃ پر فتوے کی صراحت آ گئی، تو اب مفتی اِسی کے مطابق فتویٰ دے گا؛ اس کے لیے جائز نہیں کہ اِس صراحت کے باوجود بھی، وہ ظاہر الروایۃ کے مطابق ہی فتویٰ دے۔

ہر کسی کی ترجیح کا اعتبار نہیں

یہاں پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں علمائے اہلِ ترجیح کا تذکرہ آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی قول کا راجح ہونا، اُس وقت تسلیم کیا جائے گا، جب اُسے ایسے علماء نے راجح قرار دیا ہو، جن کے اندر مختلف اقوال میں ترجیح قائم کرنے کی صلاحیت ہو، جیسے: امام قدوری، صاحبِ ہدایہ، علامہ ابن ہمام، امام علی الرازی وغیرہ؛ لہٰذا علی الاطلاق کسی کی بھی ترجیح کا اعتبار نہیں ہوگا۔

شرح میں اِس مناسبت سے علامہ ابن کمال پاشا رحمہ اللہ کے حوالے سے حضراتِ فقہاء کے سات طبقات بیان کیے گئے ہیں، اُن میں اہلِ ترجیح کا پانچواں طبقہ ہے۔ حضراتِ فقہاء کے طبقات کی اس تقسیم کو بہت پسند کیا گیا ہے؛ البتہ ان کی جو مثالیں بیان کی گئی ہیں، ان سے اختلاف کیا گیا ہے، شرح میں وضاحت موجود ہے۔

مُلاحَظة: "ظاہر الروایۃ" ان مسائل کو کہا جاتا ہے، جو امام محمد رحمہ اللہ کی کتبِ ستہ: مبسوط، زیادات، جامعِ صغیر، جامعِ کبیر، سیرِ صغیر، سیرِ کبیر میں مذکور ہیں، ان کتابوں کا تذکرہ آگے شعر: ۱۱ تا ۱۴ میں آرہا ہے۔

ظاہر الروایۃ کتابیں

١١	وَكُتُبُ ظَاهِرِ الرِّوَايَاتِ أَتَتْ	✦	سِتًّا، وَبِالْأُصُوْلِ أَيْضاً سُمِّيَتْ
١٢	صَنَّفَهَا مُحَمَّدُ نِ الشَّيْبَانِيُ	✦	حَرَّرَ فِيهَا الْمَذْهَبَ النُّعْمَانِيْ
١٣	اَلْجَامِعُ الصَّغِيْرُ وَالْكَبِيْرُ	✦	وَالسِّيَرُ الْكَبِيْرُ وَالصَّغِيْرُ
١٤	ثُمَّ الزِّيَادَاتُ مَعَ الْمَبْسُوْطِ	✦	تَوَاتَرَتْ بِالسَّنَدِ الْمَضْبُوْطِ

ترجمہ: [١١] اور ظاہر الروایات کتابیں (تصنیف ہوکر) چھ آئی ہیں، ان کا دوسرا نام ''اصول'' بھی ہے۔

[١٢] (یہ سب) امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیف کردہ ہیں، جن میں اُنھوں نے امام صاحب رحمہ اللہ کے مذہب کو شان دار طریقے سے بیان کیا ہے۔

[١٣] (وہ چھ کتابیں یہ ہیں:) جامعِ صغیر، جامعِ کبیر، سیرِ کبیر، سیرِ صغیر۔

[١٤] پھر زیادات اور مبسوط؛ (یہ سب) مضبوط سند کے ساتھ بہ طریقِ تواتر مروی ہیں۔

وضاحت: ''ظاهر الرواية'' مرکبِ اضافی ہے؛ مگر درحقیقت یہ مرکبِ توصیفی ہے، ''أي رواية ظاهرة'' کلام میں روانی اور آسانی کے پیشِ نظر ترتیب بدل دی گئی ہے۔

شرح: امام محمد رحمہ اللہ کی یہ وہ چھ کتابیں ہیں، جن کی روایت کو تواتر یا شہرت کے ساتھ منقول ہونے کی وجہ سے ''ظاہر الروایۃ'' کہا جاتا ہے، اور چوں کہ امام محمد رحمہ اللہ کی یہ چھ کتابیں فقہِ حنفی کی اساس و بنیاد ہیں؛ اس لیے اِنھیں ''اُصول'' بھی

کہا جاتا ہے۔

احناف کے یہاں مسائل کی ترتیب درجے کے لحاظ سے یہ ہے:

(۱) ظاہر الروایہ۔

(۲) نادر الروایہ۔

(۳) فتاویٰ اور واقعات۔

بالکل یہی ترتیب فتویٰ دینے میں بھی ملحوظ رہے گی، سب سے پہلے ''ظاہر الروایہ'' کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا (جیسا کہ گزرا) دوسرے درجے میں ''نادر الروایہ'' اور فتویٰ دینے کے سلسلے میں تیسرا اور آخری درجہ فتاویٰ اور واقعات کا ہوگا۔ تعارض کے وقت ''ظاہر الروایہ'' کو ترجیح ہوگی؛ ہاں! اگر مشائخ نے ''ظاہر الروایہ'' سے ہٹ کر، نوادِر یا فتاویٰ وغیرہ پر فتوے کی صراحت کی ہو، تو پھر وہی راجح ہوں گے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے اِسی مناسبت سے یہاں ''ظاہر الروایہ'' کا تذکرہ کیا ہے۔

''مسائل النوادر'' اور ''مسائل النوازل'' کا تذکرہ آئندہ اشعار میں ہے، تینوں طرح کی کتابوں کا تفصیلی تعارف ''**شرح عقود رسم المفتي**'' کے اندر علامہ نے پیش فرمایا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے، مزید آسانی کے لیے حضرت الاستاذ حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری (رحمہ اللہ) کا ترجمہ: ''آپ فتویٰ کیسے دیں؟'' اور حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری کی کتاب: ''فتویٰ نویسی کے رہنما اصول'' بھی دیکھے جاسکتے ہیں، وضاحت کے ساتھ اِن کتابوں کا تعارف وہاں موجود ہے۔

مسائل النوادر کی وضاحت

۱۵	كَـذَا لَـهُ مَسَائِلُ النَّـوَادِرِ	❖	إِسْنَادُهَا فِي الْكُتُبِ غَيْرُ ظَاهِرِ

تَرجَمۃ: [۱۵] اِسی طرح امام محمد کی تصانیف میں مسائل النوادر بھی ہیں، جن کی سندیں کتابوں میں ظاہر نہیں (مشہور نہیں)۔

شَرح: مذکورہ چھ کتابوں کے علاوہ امام محمد رحمہ اللہ کی اور بھی فقہی تصنیفات ہیں؛ مگر اُن کی روایات معروف ومشہور نہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اُسے کوئی ایک ہی شاگرد روایت کرتا ہے، اِن کتابوں کو ''کتبِ نوادر'' اور اُن کے مسائل کو ''مسائل النوادر'' کہا جاتا ہے، اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ کے علاوہ امام صاحب رحمہ اللہ کے دوسرے تلامذہ کی تصنیفات بھی ''کتبِ نوادر'' کہلاتی ہیں۔

مسائل النوازل کی وضاحت

۱۶	وَبَعْدَهَا مَسَائِلُ النَّوَازِلِ	❖	خَرَّجَهَا الْأَشْيَاخُ بِالدَّلَائِلِ

تَرجَمۃ: [۱۶] نوادر کے بعد مسائل النوازل کا درجہ ہے، جن (مسائلِ نوازل) کی مشایخ نے دلائل سے تخریج کی ہے۔

شَرح: ''مسائل النوازل'' ایسے جدید مسائل ہیں، جو مجتہدین کے زمانے کے گذر جانے کے بعد پیش آئے اور مجتہدین سے صراحۃً اُن کا کوئی حکم مروی نہیں، بعد کے اکابر نے متقدمین کے اصول وفروع کو سامنے رکھ کر ان کا حکم بیان کیا ہے، اِس طرح کے مسائل کی جامع کتاب کو ''کتاب النوازل'' کہا جاتا ہے۔

مبسوط کے ''اُصل'' کے نام سے مشہور ہونے کی وجہ

۱۷	وَاشْتَهَرَ الْمَبْسُوْطُ بِالْأَصْلِ، وَذَا	◈	لِسَبْقِهِ السِّتَّةَ تَصْنِيْفًا كَذَا

ترجمہ: [۱۷]اور مبسوط اصل (کے نام) سے مشہور؛ اس لیے ہوگئی کہ وہ (امام محمد رحمہ اللہ کی) چھ کتابوں میں تصنیف کے اعتبار سے سب سے مقدم ہے۔

ترکیب: ''ذا'' اسمِ اشارہ، ''كونه أصلاً'' مشارالیہ، ''سبق'' مصدر فاعل (مبسوط) کی طرف مضاف ہے، ''الستة'' مفعول بہ ہے، ''تصنيفًا'' لِسَبْقِهِ السِّتَّةَ کی تمیز ہے، جونسبت کے ابہام کو دور کررہی ہے۔

شرح: اس شعر میں علامہ رحمہ اللہ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ علمی حلقوں میں امام محمد رحمہ اللہ کی مبسوط ''اُصل'' (مفرد لفظ کے ساتھ؛ کیوں کہ ''اصول'' لفظِ جمع کے ساتھ تو چھوں کتابوں کے مجموعے کو کہا جاتا ہے) کے نام سے مشہور ہوگئی ہے؛ لہٰذا جب مطلق ''اصل'' کا لفظ بولا جائے، تو اس سے مراد امام محمد رحمہ اللہ کی مبسوط ہی لی جائے اور مبسوط کے ''اصل'' کے نام سے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے سب سے پہلے اِسی کی تصنیف فرمائی ہے، گویا یہ کتاب دوسری تمام کتابوں کے لیے اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

جامعِ صغیر؛ مبسوط پر مقدم کیوں ہے؟

۱۸	اَلْجَامِعُ الصَّغِيْرُ بَعْدَهٗ، فَمَا	◈	فِيْهِ عَلَى الْأَصْلِ، لِذَا تَقَدَّمَا

ترجمہ: [۱۸]اسی طرح مبسوط کے بعد (تمام کتابوں پر مقدم) جامع صغیر ہے، لہٰذا جوبات جامع صغیر میں ہے (اس کا مبسوط کے بعد ہونا) وہ اسی وجہ سے

اصل (مبسوط) پر مقدم ہے۔

مُلاحَظة : شعر/ ۱۷ میں آئے ہوئے لفظ "کذا" کا تعلق چوں کہ شعر/ ۱۸ سے ہے؛ اس لیے آسانی کی خاطر ترجمہ اُس کا دوسرے شعر سے ملا کر کیا گیا ہے۔

"فما فيه على الأصل لذا تقدما" کی اصل عبارت یوں ہے: **فما فيه (الجامع الصغير) لذا تقدم على الأصل۔**

وضاحت : "تقدما" میں الف اشباع کا ہے۔

شَرْح : اِس شعر میں علامہ نے جامعِ صغیر کی تصنیف کا نمبر بیان فرمایا ہے؛ چناں چہ فرماتے ہیں کہ مبسوط کے بعد جامعِ صغیر کی تصنیف ہوئی اور اِن باتوں کے بیان سے علامہ رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جب یہ بات واضح ہو چکی کہ فتوے کی ترتیب میں پہلا درجہ "ظاہر الروایۃ" کا ہے، تو یہ بھی سمجھ لیں کہ ہو سکتا ہے کہ کبھی ظاہر الروایۃ کی روایات بھی باہم متعارض ہوں، مثلاً: کسی مسئلے میں مبسوط اور جامعِ صغیر کی روایات میں تعارض ہو جائے، تو ایسے موقع پر جامعِ صغیر کی روایت راجح ہوگی؛ کیوں کہ وہ بعد کی تصنیف ہے، ناسخ کے درجے میں ہے۔

سیرِ کبیر آخری تصنیف ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتبار ہے

۱۹	وَ اٰخِرُ السِّتَّةِ تَصْنِيفًا وَرَدُ	✧	اَلسِّيَرُ الْكَبِيْرُ، فَهُوَ الْمُعْتَمَدُ

تَرجَمَة : [۱۹] اور چھ کتابوں میں سب سے اخیر میں تصنیف ہونے والی سیرِ کبیر ہے، اس وجہ سے (بہ وقتِ تعارض) وہی قابلِ اعتماد ہے۔

ترکیب: "آخر الستة" ممیّز، "تصنيفاً" موصوف اپنی صفت "ورد

"سے مل کر تمیز، ممیّز تمیز سے مل کر مبتدا اور "السیر الکبیر" اس کی خبر ہے۔

شَرح: اس شعر میں بھی علامہ نے "جامعِ صغیر" کی طرح "سیرِ کبیر" کی تصنیف کا نمبر بیان فرمایا ہے، مقصود یہاں بھی یہی ہے کہ اگر کبھی ظاہر الروایۃ میں سیر کے کسی مسئلے میں تعارض ہو جائے، تو "سیرِ کبیر" کی روایت کا اعتبار ہوگا ؛ کیوں کہ وہ آخری تصنیف ہے؛ لہٰذا اُس کی روایت دوسری کتابوں کی ایسی روایت جس کا تعلق سیر سے ہو، اس کے لیے ناسخ سمجھی جائے گی اور سیرِ کبیر کی ہی روایت قابلِ اعتماد ہوگی۔

"الکَافِيْ" ظاہر الروایۃ کتابوں کی جامع ہے

۲۰	وَيَجْمَعُ السِّتَّ كِتَابُ الْكَافِيْ	❖	لِلْحَاكِمِ الشَّهِيْدِ فَهُوَ الْكَافِيْ	

تَرجَمَۃ: [۲۰] اور حاکمِ شہید کی "الکافي" امام محمد رحمہ اللہ کی چھوں کتابوں کی جامع ہے؛ لہٰذا (اب) وہ کافی ہے۔

شَرح: ماقبل میں چوں کہ کتبِ ستہ ظاہر الروایہ کا تذکرہ آیا ہے، اِسی مناسبت سے علامہ نے یہ بیان فرمایا کہ حاکمِ شہید رحمہ اللہ کی "الکافي" امام محمد رحمہ اللہ کی کتبِ ستہ کی جامع ہے، جامع اس طرح ہے کہ حاکمِ شہید رحمہ اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ کی کتبِ ستہ کو یکجا فرمایا، تکرار کو حذف کیا اور "الکافي" کے نام سے کتبِ ستہ کا خلاصہ و نچوڑ تیار کر دیا، احناف کی فقہی کتابوں میں یہ کتاب بھی نہایت ہی قابلِ اعتماد ہے، کسی کے پاس اگر امام محمد رحمہ اللہ کی کتبِ ستہ نہ ہو، اور صرف "الکافي" ہو، تو بھی کافی شافی ہے۔

مبسوط ''کافی'' کی عمدہ اور قابلِ اعتماد شرح ہے

۲۱	اَقْوٰی شُرُوْحِهِ الَّذِيْ کَالشَّمْسِ	✦	مَبْسُوْطُ شَمْسِ الْأُمَّةِ السَّرَخْسِيْ
۲۲	مُعْتَمَدُ النُّقُوْلِ، لَیْسَ یُعْمَلُ	✦	بِخُلْفِهٖ، وَلَیْسَ عَنْهُ یُعْدَلُ

ترجمۃ: [۲۱] شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ کی مبسوط، کافی کی سب سے شان دار شرح ہے، بالکل سورج کی طرح۔

[۲۲] مذاہب کے نقل کرنے میں مبسوطِ سرخسی قابلِ اعتماد ہے؛ (لہٰذا) اِس میں آئے ہوئے قول کے علاوہ قول پر نہ عمل کیا جائے گا، نہ ہی اُس (مبسوطِ سرخسی میں آئے ہوئے قول) سے عدول کیا جائے گا۔

شرح: جب "الکافي" کا تذکرہ آگیا، تو علامہ شامی رحمہ اللہ نے یہ وضاحت فرمائی کہ حاکمِ شہید رحمہ اللہ کی "الکافي" کی بہت سے علماء نے شرح لکھی ہے، اُن میں سب سے زیادہ بہتر اور عمدہ شرح شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ کی ''مبسوط'' ہے۔

علامہ نجم الدین ابراہیم بن علی البغدادی طرطوسی رحمہ اللہ (متوفی: ۷۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ جو بات ''مبسوطِ سرخسی'' کے خلاف ہو، اُس پر عمل نہیں کیا جائے گا، اِسی پر اعتماد کرنا اور اسی کے مطابق فتویٰ دینا ضروری ہے۔ (آپ فتویٰ کیسے دیں؟: ۴۷)

امام صاحب سے بہت سی روایات مشہور ہیں

۲۳	وَاعْلَمْ بِأَنَّ عَنْ أَبِيْ حَنِیْفَهْ	✦	جَاءَتْ رِوَایَاتٌ غَدَتْ مُنِیْفَهْ
۲۴	اِخْتَارَ مِنْهَا بَعْضَهَا، وَالْبَاقِيْ	✦	یَخْتَارُ مِنْهُ سَائِرُ الرِّفَاقِ

۲۵	فَلَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهٖ جَوَابُ	❖	كَمَا عَلَيْهِ أَقْسَمَ الْأَصْحَابُ

تَرجَمۃ: [۲۳] جان لیجیے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے (منقول ہوکر) ایسی روایتیں آئی ہیں، جوخوب مشہور ہو چکی ہیں۔

[۲۴] اُن ہی (روایتوں) میں سے کسی کو امام صاحب رحمہ اللہ نے (فتوے کے لیے) منتخب کرلیا ہے اور باقی میں سے (فتوے کے لیے) منتخب کرتے ہیں، دوسرے تمام شاگردان۔

[۲۵] لہٰذا اِس اعتبار سے فقہِ حنفی میں امام صاحب کے علاوہ کسی کا قول نہیں، جیسا کہ اِس بات پر شاگردوں نے قسم کھائی ہے۔

شَرح: یہاں علامہ شامی رحمہ اللہ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں: ایک یہ کہ ایک مسئلے میں ایک مجتہد کے دو قول ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ صاحبین رحمہما اللہ یا امام صاحب رحمہ اللہ کے اور دوسرے شاگردوں کے اقوال پر عمل مذہبِ حنفی سے الگ نہیں۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے، تو اِس سلسلے میں عرض ہے کہ ایک مجتہد کے ایک مسئلے میں مختلف وجوہات کی بنیاد پر متعدد اقوال ہو سکتے ہیں اور اِن وجوہات کی تعداد چھ تک پہنچتی ہے، جس کی مکمل تفصیلات شرح میں موجود ہیں، خلاصے کے طور پر یہاں بھی ذکر کر دی جا رہی ہیں:

- راویوں سے امام کی بات کو سننے یا سمجھنے میں غلطی کا ہونا۔
- امام کا اپنے قول سے رجوع کرلینا؛ مگر بعض شاگردوں کو اس کی خبر نہ ہونا۔
- دو قولوں میں سے ایک کا بہ طریقِ استحسان دوسرے کا بہ طریقِ قیاس منقول ہونا۔

- دو قولوں میں سے ایک کا فتوے کی رو سے اور دوسرے کا تقوے کی رو سے منقول ہونا۔
- دلائل میں تعارض کی وجہ سے امام کا حکم میں متردد ہو کر دو رائے قائم کرنا۔
- کسی دلیل کے مفہوم میں ایک سے زائد احتمال ہونے کی وجہ سے امام کی رائے کا متعدد ہونا۔

لہٰذا جب کسی مسئلے میں کسی مجتہد کے مختلف اقوال ہوں، تو مندرجہ ذیل وجوہِ ترجیح کے ذریعے کسی قول کو راجح قرار دیا جائے گا:

- اگر مختلف اقوال میں سے کسی قول کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ امام کا بعد کا قول ہے، تو وہ قول مرجوع الیہ ہو جائے گا اور پہلے والا قول معدوم سمجھا جائے گا، اس پر عمل نہیں ہوگا۔
- اور اگر آخری قول معلوم نہ ہو سکے، تو پھر یہ دیکھا جائے کہ کسی قول کے ساتھ کوئی ترجیحی اشارہ موجود ہے یا نہیں؟ مثلاً: کسی قول کو خود امام نے ''أرفق للناس''، یا ''أوفق بالزمان'' وغیرہ کہا ہو، تو اِس وجہِ ترجیح کی بنیاد پر وہی قول راجح ہوگا، اُسی پر عمل کیا جائے گا۔
- اور اگر کسی قول کے ساتھ کوئی ترجیحی اشارہ نہ ہو، تو دوسروں کو مسئلہ بتانے والا یا خود عمل کرنے والا اگر مجتہد فی المذہب ہے، تو اصولِ فقہ میں تعارضِ ادلہ کی بحث میں جو وجوہِ ترجیح بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: دو آیتوں میں تعارض کے وقت حدیث کی طرف رجوع کرنا، دو حدیثوں میں تعارض کے وقت اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرنا؛ اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تعارض کے وقت قیاس کی طرف رجوع کرنا وغیرہ؛ اِن وجوہِ ترجیح میں سے کسی کے ذریعے کسی ایک قول کو ترجیح دے

گا اور اگر کوئی وجہِ ترجیح موجود نہ ہو، تو اپنے دل کی شہادت سے جس قول کو راجح سمجھے، اس پر عمل کرے، اسی کے مطابق دوسروں کو بھی مسئلہ بتائے۔

- اور اگر محض فقیہ ہے، جیسے کہ آج کل کے اکثر مفتیانِ کرام، تو یہ متأخرین کی ترجیحات کی پیروی کریں گے؛ یعنی متأخرین نے جس قول پر فتویٰ دیا ہے، اس پر خود بھی عمل کریں گے، دوسروں کو بھی اُسی کے مطابق فتویٰ دیں گے۔
- اور اگر عام مسلمان ہیں، تو اپنے زمانے کے بڑے عالم، جو بڑے متقی وپرہیزگار بھی ہوں، اُن کے قول پر عمل کریں گے۔

خیر! جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ ایک مجتہد کے ایک مسئلے میں، متعدد اقوال ہو سکتے ہیں اور اس کی وجہ بھی سامنے آ چکی، تو اب یہ عرض ہے کہ اُن ہی مختلف روایات میں سے کسی کو کسی وجہِ ترجیح کی بنا پر مجتہد فتوے کے لیے منتخب کر لیتا ہے، جیسا کہ امام صاحب رحمہ اللہ سے بہت سی روایتیں منقول ومشہور ہیں، اُن ہی میں سے کسی کو امام صاحب رحمہ اللہ نے دلیل کی قوت کی بنا پر فتوے کے لیے منتخب کر لیا اور باقی کو چھوڑ دیا؛ لیکن امام صاحب رحمہ اللہ نے غایت درجے کے تقوے وشدتِ احتیاط کی بنیاد پر، شاگردوں سے کہہ رکھا تھا کہ میرے مرجوح قول کو دلیل کے اعتبار سے اگر مضبوط سمجھو، تو اُسے اختیار کر لینا اور میرے اختیار کردہ راجح قول کی موافقت نہ کرنا؛ چناں چہ شاگردوں نے اِسی ہدایت کے پیشِ نظر امام صاحب کی مختلف روایتوں میں سے، جس روایت کو دلیل کے اعتبار سے قوی سمجھا، اُسے اختیار کر لیا؛ اسی کو علامہ شامی رحمہ اللہ نے "**والباقي، يختار منه سائر الرفاق**" سے بیان فرمایا ہے۔

شاگردوں کے اُقوال بھی امام صاحب کے اُقوال ہیں

امام صاحب رحمہ اللہ کی اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، شاگردوں نے جہاں بھی امام صاحب سے الگ کوئی رائے قائم کی اور کسی اور قول کواختیار کیا، وہاں اِس بات کا مکمل خیال رکھا کہ اُن کا اختیار کردہ قول، امام صاحب کی روایت سے متجاوز نہ ہو؛ اِس اعتبار سے حضرت امام صاحب کے شاگردوں نے جو قول بھی اختیار کیا ہے، وہ امام صاحب ہی کی کسی نہ کسی روایت پر مبنی ہے اور وہ حضرات بھاری قسمیں کھا کر یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہم نے امام صاحب رحمہ اللہ کی کسی چیز میں مخالفت نہیں کی ہے: لہٰذا حضراتِ صاحبین رحمہما اللہ اور امام صاحب رحمہ اللہ کے کسی دوسرے شاگرد کے قول پر عمل کرنے سے، حنفی مقلد حَـنـفِـیّـت کی تقلید سے خارج نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس معنی کر صاحبین وغیرہ نے جو قول اختیار کیا ہے، وہ کسی نہ کسی درجے میں امام صاحب کا قول بھی ہے۔

یہ بات اکثری اُحوال کے اعتبار سے ہے

حضرت الاستاذ حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ اس بات کو اکثری احوال کے اعتبار سے درست قرار دیا جائے گا؛ کیوں کہ اب صاحبین کی اکثر کتابیں طبع ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں؛ اُن کا مطالعہ کرنے سے، نیز عام کتبِ فقہ کا مطالعہ کرنے سے اس بات کی تائید نہیں ہو تی، پھر اصولِ فقہ کے کئی ایک ضوابط میں صاحبین کا امام صاحب سے اختلاف ہے اور اصول کے اختلاف کے ساتھ اقوال کیسے متحد رہ سکتے ہیں؟ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضراتِ صاحبین کی صلاحیتیں مجتہدِ مطلق کے درجے کی مانی گئی ہیں،

ایسی بڑی صلاحیتوں والے کوئی نئی بات نہ سوچیں، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ (آپ فتویٰ کیسے دیں؟: ۵۸؛ حاشیہ)

فتوے کے سلسلے میں فقہائے احناف کے قول کو اختیار کرنے کی ترتیب

۲۶	وَحَيْثُ لَمْ يُوجَدْ لَهُ اخْتِيَارُ	✦	فَقَوْلُ يَعْقُوبَ هُوَ الْمُخْتَارُ
۲۷	ثُمَّ مُحَمَّدٍ، فَقَوْلُهُ الْحَسَنُ	✦	ثُمَّ زُفَرٍ، وَابْنِ زِيَادِ نِ الْحَسَنُ
۲۸	وَقِيلَ بِالتَّخْيِيرِ فِي فَتْوَاهُ	✦	إِنْ خَالَفَ الْإِمَامَ صَاحِبَاهُ
۲۹	وَقِيلَ مَنْ دَلِيلُهُ أَقْوىٰ رَجَحْ	✦	وَذَا لِمُفْتٍ ذِي اجْتِهَادِ نِ الْأَصَحْ

ترجمہ: [۲۶] اور جس مسئلے میں امام صاحب رحمہ اللہ کا اختیار کردہ کوئی قول نہ ہو، تو وہاں پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہی قول کو لیا جائے گا۔

[۲۷] (اگر ان کا قول نہ ہو) تو پھر امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہی پسندیدہ ہوگا (اگر اِن کا قول بھی نہ ہو) تو پھر امام زفر رحمہ اللہ اور حسن بن زیاد رحمہ اللہ کا قول معتبر ہوگا۔

[۲۸] اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ (کسی مسئلے میں اگر) صاحبین، امام صاحب کی مخالفت کریں، تو مفتی کو فتویٰ دینے کے سلسلے میں اختیار ہے۔

[۲۹] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (امام صاحب اور صاحبین میں سے) جن کی دلیل مضبوط ہوگی، اُن کے قول کو ترجیح ہوگی؛ لیکن زیادہ صحیح یہی ہے کہ یہ بات مفتی مجتہد کے بارے میں ہے (نہ کہ مقلد کے بارے میں)۔

ترکیب: "محمد، زفر، ابن زیاد" سب کا عطف "یعقوب" پر

ہے، ”**یعقوب**“ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالتِ جری میں ہے، غیر منصرف ہونے کی وجہ سے کسرہ نہیں آیا؛ لہٰذا تمام معطوفات مجرور ہوں گے، ”**زفر**“ چوں کہ غیر منصرف ہے؛ اس لیے کسرہ نہیں آنا چاہیے تھا؛ مگر ضرورتِ شعری کی بناء پر یہاں اِس پر کسرے والی تنوین آئے گی۔ ”**ابن زِيَادِ الْحَسَن**“ اصل میں ”**حسن ابن زیاد**“ ہے، ضرورتِ شعری کی بنا پر اِس طرح کیا گیا ہے۔ ”**الإمام**“ مفعولِ مقدم ہے، ”**صاحباه**“ بہ ترکیبِ اضافی ”**خالف**“ کا فاعل ہے۔ ”**ذا**“ اسمِ اشارہ مبتدا ہے (مشارالیہ ”**وَقِيلَ مَنْ دَلِيلُهُ أَقْوٰى رَجَحْ**“ ہے) ”**مفتٍ**“ موصوف ”**ذِي اجْتِهَـــــاد**“ اس کی صفت، موصوف صفت سے مل کر محذوف سے متعلق ہو کر خبر ہے۔ ”**الأصح**“ مبتدا ”**هذا**“ (محذوف) اُس کی خبر ہے۔

وضاحت: بعض نسخوں کے مطابق [**محمد، زفر، ابن زياد**]؛ سب مرفوع ہیں، اس صورت میں اِن کا عطف ”**یعقوب**“ پر نہیں ہوگا؛ بل کہ ”**قول**“ پر ہوگا، عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ امام اَبو یوسف رحمہ اللہ کے بعد مرتبے میں امام محمد رحمہ اللہ ہیں، پھر امام زفر رحمہ اللہ اور ابن زیاد رحمہ اللہ ہیں؛ لہٰذا اِسی اعتبار سے اِن کا قول مختار و پسندیدہ ہوگا۔

شَرح: ان اشعار سے پہلے علامہ رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جس مسئلے میں ہمارے ائمہ (امام صاحب و صاحبین رحمہم اللہ وغیرہ) متفق ہوں، اس میں کسی مجتہد فی المذہب کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ (عرف و ضرورت کے علاوہ میں) ان ائمہ کی متفقہ رائے سے عدول کر کے اپنی رائے پر عمل کرے؛ کیوں کہ اُن کی رائے اِس مجتہد کی رائے سے زیادہ صحیح ہے۔

اب یہاں سے علامہ شامی رحمہ اللہ یہ بات بیان فرما رہے ہیں کہ اگر کسی مسئلے میں ہمارے ائمہ کے مابین اختلاف ہو، تو ترجیح کی ترتیب کیا ہوگی؟ چناں چہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ائمہ کے مابین اختلاف کی صورت میں اگر امام صاحب کا کوئی مختار قول ہو، تو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا، اگر امام صاحب رحمہ اللہ کا کوئی قول نہ ہو، تو پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا، پیش آمدہ مسئلے میں اگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی کوئی قول نہ ہو، تو پھر امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کیا جائے گا، اگر اِن کا بھی کوئی قول نہ ملے، تو پھر امام زفر رحمہ اللہ اور امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ وغیرہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔

اس کی تنقیح کرتے ہوئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی مسئلے میں ہمارے ائمہ کے مابین اختلاف ہو، تو اس کی دو صورتیں ہیں:

- امام صاحب تنہا ہیں۔
- صاحبین میں سے کوئی ساتھ ہیں، اگر ساتھ ہیں، تو امام صاحب ہی کا قول راجح ہوگا۔

اگر صاحبین میں سے کوئی ساتھ نہیں، تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

- وہ دونوں ایک ساتھ ہیں۔
- دونوں الگ الگ ہیں، اگر وہ دونوں بھی الگ الگ ہیں؛ تو ایسی صورت میں بھی امام صاحب ہی کا قول راجح ہوگا۔

اور اگر امام صاحب ایک طرف ہیں، صاحبین دوسری طرف؛ تو ایسی صورت میں حضرات فقہاء کی رائے مختلف ہے: بعض کہتے ہیں کہ اِس صورت میں بھی امام صاحب ہی کا قول راجح ہوگا۔ دوسرے بعض حضرات کی رائے بالکل اس سے مختلف

ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں مفتی کو اختیار ہے، جن کے قول پر چاہے فتویٰ دے، مفتی خواہ مجتہد ہو یا مقلد۔ اور اِس سلسلے میں تیسری رائے جو محققین کی ہے، وہ یہ ہے کہ مفتی اگر مقلد ہے، تب تو اُس پر لازم ہے کہ وہ امام صاحب رحمہ اللہ ہی کے قول پر فتویٰ دے۔ ہاں! اگر مفتی مجتہد ہے، تو اُسے اختیار ہوگا کہ وہ قوتِ دلیل کی بنیاد پر کسی قول کو ترجیح دے۔

اِس تیسری رائے کو جو زیادہ درست کہا گیا ہے، وہ اس بنیاد پر کہ اس کا تعلق مفتی مجتہد سے ہے، اِس تیسری رائے میں مفتیٔ مجتہد، مفتیٔ غیر مجتہد کا فرق ہے ،اس سے پہلی اور دوسری رائے میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے، وہ اس طرح کہ جنھوں نے مطلقاً امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کو لینے کی بات کہی ہے، اُن کی بات کا تعلق مفتیٔ مقلد سے ہے اور جنھوں نے مطلقاً اختیار دیا ہے، ان کے اختیار دینے کا تعلق مفتیٔ مجتہد سے ہے، اب اس طرح تینوں آراء کے مابین کوئی اختلاف باقی نہیں رہے گا۔

مُلاحَظة : اِس بحث میں جو بار بار ''مجتہد مفتی'' کا لفظ آیا ہے، اِس سے مجتہدِ مطلق مراد نہیں؛ بل کہ مجتہدِ مقید مراد ہے، اس میں ''مجتہد فی المذہب''، ''مجتہد فی المسائل''، ''اصحابِ تخریج'' اور ''اصحابِ تصحیح وترجیح''؛ سب ہی شامل ہیں۔

مجتہدین کے تین طبقات ہیں: (۱) مجتہدِ مطلق مستقل (۲) مجتہدِ مطلق منتسب (۳) مجتہد فی المذہب؛ تینوں کی تفصیلات ''فتویٰ نویسی کے رہنما اصول'' میں دیکھئے۔

اب سابقہ تفصیل کے مطابق ہی فتویٰ دینا ہے

٣٠	فَـالْاٰنَ لَا تَـرْجِيْـحَ بِـالدَّلِيْلِ	✦	فَلَيْـسَ إِلَّا الْقَـوْلُ بِالتَّفْصِيْلِ
٣١	مَـا لَـمْ يَكُنْ خِلَافُهُ الْمُصَحَّحَا	✦	فَنَـأْخُـذُ الَّذِي لَهُمْ قَدْ وَضَحَا
٣٢	فَـإِنَّـنَـا نَـرَاهُـمُوْ قَدْرَجَّحُوْا	✦	مَقَالَ بَعْضِ صَحْبِهٖ، وَصَحَّحُوْا
٣٣	مِنْ ذَاكَ مَا قَدْ رَجَّحُوْا لِزُفَرِ	✦	مَـقَـالَـهُ فِيْ سَبْعَةٍ وَّعَشَرِ

ترجمہ: [٣٠] اب (موجودہ زمانے میں) دلیل کے ذریعے ترجیح (والی بات) نہیں رہی؛ لہٰذا اب تو سابقہ تفصیل کے مطابق ہی (فتوے کے لیے) قول کو لیا جائے گا۔

[٣١] جب تک امام صاحب کے قول کے علاوہ، دوسرے قول کی تصحیح نہ کی گئی ہو، (اگر دوسرے قول کی تصحیح کی گئی ہو) تو پھر ایسی صورت میں اُسی قول کو لیں گے جو اہلِ تصحیح کے لیے واضح ہوا ہو۔

[٣٢] اس لیے کہ ہم اصحابِ تصحیح کو دیکھتے ہیں کہ اُنھوں نے (بعض مرتبہ) امام صاحب رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں کے قول کی تصحیح کی ہے اور اُن کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

[٣٣] ترجیح دیے ہوئے اُن ہی اقوال میں سے امام زفر رحمہ اللہ کے وہ سترہ اقوال ہیں، جن کو اصحابِ تصحیح نے (امام صاحب کے اقوال کے مقابلے میں) ترجیح دی ہے۔

ترکیب :"لم یکن" میں کان تامہ ہے، "خِلَافُـهُ الْـمُـصَحَّحَـا" موصوف صفت سے مل کر" لـم یـکن" کا فاعل ہے، "الذي" اسم موصول صلے کے ساتھ "نـأخذ"کا مفعول بہ ہے۔ "صـحـحوا" کا مفعول بہ (مـقـال بعض صـحبه) محذوف ہے۔ "من ذاک" خبر مقدم "مـا قدر جحوا" الخ پورا جملہ اپنی ترکیب کے بعد مبتدا مؤخر ہے۔ "سبعة عشر" کے بجائے ضرورتِ شعری کی بنا پر "سبعة وعشر" لایا گیا ہے۔

وضاحت :الـمصحـحا اور وضحا (شعر:۳۱) میں الف اور نَرَاهُمُوْ (شعر:۳۲) میں واوِ اشباع کا ہے۔

شَـرْح :اَبھی سابقہ اشعار میں یہ بات آئی کہ مختلف فیہ مسائل میں مفتی مجتہد کو اختیار ہوگا اور مفتی مقلد امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینے کا پابند ہوگا۔ اب علامہ شامی رحمہ اللہ یہ فرما رہے ہیں کہ اب کے زمانے میں مجتہد مفتی نہیں رہے، جو ہیں سب مقلد ہیں (اِلا ماشاء اللہ)؛ لہٰذا اَب اختیار والی بات بھی نہیں رہے گی، اب تو سابقہ تفصیل کے مطابق ہی فتویٰ دینا ہوگا، یعنی پیش آمدہ مسئلے میں سب سے پہلے امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کو تلاش کیا جائے گا اور اُسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا؛ اگر امام صاحب رحمہ اللہ کا قول نہ ملے، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا؛ اگر اُن کا بھی قول نہ ہو، تو پھر امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا، اسی طرح درجہ بہ درجہ دوسرے شاگردوں کے قول کو فتوے کے لیے اختیار کیا جائے گا۔

بہ وقتِ ضرورت سابقہ تفصیل کے خلاف فتویٰ دیا جاسکتا ہے

ہاں! اگر ہمارے سامنے یہ بات آجائے کہ مجتہدین فی المذہب نے قوتِ دلیل کی بنیاد پر یا عرف وضرورت وغیرہ کی وجہ سے اِس ترتیب کے خلاف، مثلاً: امام صاحب کے قول کے ہوتے ہوئے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے، تو پھر ایسی صورت میں حضراتِ مجتہدین کے ترجیح دیئے ہوئے قول پر فتویٰ دیا جائے گا، اور بالفعل ایسا ہوا بھی ہے کہ حضراتِ مجتہدین نے کسی وجہ ترجیح کی بنیاد پر، امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کے مقابلے میں دوسرے بعض شاگردوں کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اس کی بڑی مثال: مجتہدین فی المذہب کا سترہ مسائل میں امام صاحب اور صاحبین کے قول کو چھوڑ کر، امام زفر رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دینا ہے۔

مُلاحَظة: سترہ مسائل میں سے تین پر اعتراض ہے کہ یہ امام زفر رحمہ اللہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ اعتراض والے اقوال کو ساقط کر کے علامہ شامی رحمہ اللہ نے تعداد بیس تک پہنچائی ہے، ان تمام بیسوں مسائل کو علامہ نے اپنے حاشیے میں منظوم شکل میں ذکر کر دیا ہے۔

(دیکھئے: حاشية ابن عابدين، الطلاق، النفقة، مطلب في فرض النفقة لزوجة الغائب: ۵/۳۳۱، ۳۳۲، ط: زکریا دیوبند)

کسی مسئلے میں متقدمین کی روایت نہ ہو تو...؟

۳۴	ثُـمَّ اِذَا لَـمْ تُـوْجَـدِ الـرِّوَايَـةُ	❖	عَـنْ عُـلَـمَـائِـنَا ذَوِي الدِّرَايَـةُ

٣٥	وَاخْتَلَفَ الَّذِيْنَ قَدْ تَأَخَّرُوْا	❖	يُرَجَّحُ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ
٣٦	مِثْلُ الطَّحَاوِيْ وَأَبِيْ حَفْصٍ الْكَبِيْرُ	❖	وَأَبَوَيْ جَعْفَرٍ وَاللَّيْثِ الشَّهِيْرُ
٣٧	وَحَيْثُ لَمْ تُوْجَدْ لِهٰؤُلَآءِ	❖	مَقَالَةٌ ، وَاحْتِيْجَ لِلْإِفْتَاءِ
٣٨	فَلْيَنْظُرِ الْمُفْتِيْ بِجِدٍّ وَّاجْتِهَادْ	❖	وَلْيَخْشَ بَطْشَ رَبِّهٖ يَوْمَ الْمَعَادْ
٣٩	فَلَيْسَ يَجْسُرُ عَلَى الْأَحْكَامِ	❖	سِوٰى شَقِيٍّ خَاسِرِ الْمَرَامِ

ترجمۃ: [٣٤] پھر جب علم وبصیرت رکھنے والے ہمارے علماء سے (کسی مسئلے میں) کوئی روایت نہ ہو۔

[٣٥] اور بعد کے علماء کے مابین اختلاف ہو جائے، تو ایسی صورت میں اکثر علماء کے اختیار کردہ قول کو ترجیح ہوگی۔

[٣٦] مثال کے طور پر امام طحاوی ہیں، ابو حفص کبیر ہیں، اسی طرح امام ابو جعفر اور مشہور امام ابو اللیث رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

[٣٧] اور جہاں کہیں اِن حضرات کا بھی کوئی قول نہ ہو اور فتویٰ دینے کی ضرورت سامنے ہو۔

[٣٨] تو پھر ایسی صورت میں مفتی کو چاہیے کہ وہ (پیش آمدہ مسئلے میں) خوب غور وفکر سے کام لے اور ساتھ ہی ساتھ آخرت میں اللہ کے مؤاخذے سے بھی ڈرتا رہے۔

[٣٩] اس لیے کہ احکامِ شرعیہ کے بیان کرنے (فتویٰ دینے) میں بد بخت ونا مراد ہی جری و دلیر بنتا ہے۔

شَرح: ماقبل میں یہ بات آچکی کہ جب کسی مسئلے میں ہمارے ائمہ مجتہدین کا قول ہوگا، تو درجہ بہ درجہ اُن ہی کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا، اِس سے عدول جائز نہیں، اب یہاں سے علامہ شامی رحمہ اللہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر کسی مسئلے میں ہمارے ائمہ مجتہدین کی کوئی روایت نہ ہو؛ البتہ متأخرین نے اِس مسئلے میں کلام کیا ہو اور وہ سب کسی ایک بات متفق ہوں، تو اُن متأخرین کے متفقہ قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔

متأخرین میں اختلاف ہونے کی صورت کا حکم

یہاں سے علامہ یہ ضابطہ بیان فرمارہے ہیں کہ پیش آمدہ مسئلے میں اگر متأخرین کے مابین اختلاف ہو، تو پھر ایسی صورت میں اکابر فقہائے متأخرین: مثلاً امام طحاوی، امام ابوحفص کبیر، امام ابوجعفر اور امام ابواللیث رحمہم اللہ وغیرہ کی اکثریت، جس حکم کی طرف مائل ہوگی، اُسی پر فتویٰ دیا جائے گا۔

کسی مسئلے میں اگر متقدمین ومتأخرین میں سے کسی کا کوئی قول نہ ہو؟

اِس کے بعد "وحيث لم توجد ...اهـ" سے علامہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر کسی مسئلے میں امام صاحب یا دیگر اصحابِ مذہب، اسی طرح مشائخِ متقدمین ومتأخرین میں سے کسی سے کوئی صراحت منقول نہ ہو، تو بالغ نظر مفتی اپنے مقام ومنصب اور خوف وخشیتِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، پیش آمدہ مسئلے میں صحیح جواب تک رسائی کے لیے اپنی پوری علمی طاقت وکوشش صرف کردے، اِس سلسلے

میں معمولی سی بھی غفلت نہ برتے؛ تاکہ صحیح طریقے سے اپنی ذمے داری سے عہدہ برآ ہو سکے اور اگر مفتی بالغ نظر نہیں، اُس کے اندر اتنی صلاحیت نہیں کہ محنت وکوشش کے نتیجے میں درست جواب تک پہنچ سکے، تو پھر اُس کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنے سے بڑے مفتی کی طرف مستفتی (سائل) کو بھیج دے یا اپنے سے بڑے مفتی سے خود جواب معلوم کر کے مستفتی کو جواب بھی بتائے اور یہ بھی بتا دے کہ یہ جواب فلاں مفتی صاحب سے میں نے معلوم کیا ہے، اندازے سے بے سوچے سمجھے جواب دینا؛ یہ نہایت ہی خطرناک بات ہے، اللہ پاک پر بہتان ہے؛ کیوں کہ احکامِ شرع کے بیان کرنے میں مفتی اللہ پاک کا نائب ہوتا ہے۔

ایک خطرناک بات

آج کل بعض کمزور استعداد والے مفتی صاحبان؛ بل کہ بعض غیر مفتی حضرات بھی تحقیق اور غور وخوض کے بغیر محض انٹرنیٹ کی مدد سے لوگوں کو مسئلہ بتاتے رہتے ہیں، یہ نہایت ہی خطرناک صورت ہے، کوئی بھی فتوی صورتِ مسئولہ کا جواب ہوتا ہے؛ وقت، حالات (کبھی شخصی، کبھی عمومی) وغیرہ چیزوں کو سامنے رکھ کر جواب دیا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اِس وقت بھی بالکل وہی صورت حال ہو، جو اُس فتوے کے تحریر کیے جانے کے وقت تھی، ظاہر ہے ایسی صورت میں وہ فتوی اِس صورت حال کے مطابق درست نہیں ہوگا؛ لہٰذا جو لوگ اِس طرح کر رہے ہیں، اُن کے لیے ایسے عمل سے احتراز لازم وضروری ہے!

نو اہم ضابطے

٤٠	وَهٰهُنَـا ضَوَابِطُ مُحَرَّرَهْ	❖	غَـدَتْ لَدٰى أَهْلِ النُّهٰى مُقَرَّرَهْ

۴۱	فِي كُلِّ أَبْوَابِ الْعِبَادَاتِ رُجِّحْ	❖	قَوْلُ الْإِمَامِ مُطْلَقًا، مَا لَمْ تَصِحْ
۴۲	عَنْـهُ رِوَايَةٌ بِهَـا الْغَيْرُ أَخَذْ	❖	مِثْلُ تَيَـمُّمٍ لِـمَنْ تَـمْـرًا نَبَذْ
۴۳	وَكُـلُّ فَـرْعٍ بِـالْـقَـضَـا تَعَلَّقَـا	❖	قَـوْلُ أَبِـي يُـوْسُفَ فِيْـهِ يُنْتَقٰى
۴۴	وَفِيْ مَسَائِلِ ذَوِي الْأَرْحَامِ قَدْ	❖	اَفْتَوْا بِـمَـا يَقُوْلُـهُ مُـحَـمَّدُ
۴۵	وَرَجَّحُوْا اسْتِحْسَانَهُمْ عَلَى الْقِياسْ	❖	اِلَّا مَسَـائِـلَ، وَمَـا فِيْهَا الْتِبَاسْ
۴۶	وَظَـاهِرُ الْمَرْوِيِّ، لَيْسَ يُعْدَلُ	❖	عَـنْـهُ إِلَـى خِلَافِـهٖ ، إِذْ يُنْقَلُ
۴۷	لَا يَـنْـبَـغِـيْ الْعُدُوْلُ عَنْ دِرَايَـهْ	❖	إِذَا أَتٰـى بِـوَفْـقِـهَـا رِوَايَــهْ
۴۸	وَكُـلُّ قَـوْلٍ جَـاءَ يَنْفِيْ الْكُفْرَا	❖	عَنْ مُسْلِمٍ، وَلَوْ ضَعِيْفًا أَحْرٰى
۴۹	وَكُـلُّ مَـا رَجَـعَ عَنْهُ الْمُجْتَهِدْ	❖	صَارَ كَمَنْسُوْخٍ، فَغَيْرُهُ اعْتُمِدْ
۵۰	وَكُـلُّ قَـوْلٍ فِـي الْـمُتُوْنِ اُثْبِتَـا	❖	فَـذَاكَ تَـرْجِيحٌ لَهُ ضِمْنًا أَتٰى
۵۱	فَرُجِّحَتْ عَلَى الشُّرُوْحِ ، وَالشُّرُوْحْ	❖	عَلَى الْفَتَاوَى الْقِلَمِ مِنْ ذَاتِ رُجُوْحْ
۵۲	مَـا لَمْ يَكُنْ سِوَاهُ لَفْظًا صُحِّحَا	❖	فَـالْأَرْجَـحُ الَّذِيْ بِهٖ قَدْ صُرِّحَا

ترجمۃ: [۴۰] یہاں چند ایسے اصول وضابطے ہیں، جو بالکل واضح ہیں، اہلِ علم کے مابین طےشدہ ہیں۔

[۴۱] (ا) عبادات کے تمام ابواب میں مطلقاً (امام صاحب تنہا ہوں یا شاگردوں میں سے بھی کوئی ساتھ ہو) امام صاحب ہی کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔

[۴۲] (۲) جب تک کہ امام صاحب سے ایسی کوئی بات ثابت نہ ہو، جسے کسی شاگرد نے اختیار کیا ہو، جیسے پانی میں کھجور ڈالنے والے کے لیے تیمّم کا حکم۔

[۴۳] (۳) قضا سے متعلق جو بھی مسئلہ درپیش ہو، اُس میں (فتوے کے لیے) امام ابو یوسف کے قول کو منتخب کر لیا گیا ہے۔

[۴۴] (۴) ذوی الأرحام سے متعلق مسائل میں علماء نے امام محمد کے قول پر ہی فتویٰ دیا ہے۔

[۴۵] (۵) علماء نے فقہاء کے استحسان کو قیاس پر ترجیح دی ہے، سوائے چند ایک مسائل کے جن (کی معرفت) میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

[۴۶] (۶) فتویٰ دینے کے لیے ظاہر روایت کو چھوڑ کر، غیر ظاہر روایت کو اختیار نہیں کیا جائے گا؛ اگرچہ غیر ظاہر روایت منقول ہو۔

[۴۷] (۷) (کسی مسئلے میں دلیل ایسی ہو کہ) فقہی روایت بھی اس کے موافق ہو، تو پھر ایسی صورت میں (دلیل) کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

[۴۸] (۸) فقہاء سے منقول ہر وہ قول، جس سے کسی مسلمان سے کفر کی نفی ہوتی ہو، اگر وہ ضعیف بھی ہے؛ تب بھی فتوے کے لیے زیادہ مناسب وہی ہے۔

[۴۹] مجتہد کا ہر وہ قول، جس سے اُنھوں نے رجوع کر لیا ہے، اس کی حیثیت منسوخ کی ہے (اب اس پر عمل نہیں ہوگا؛ بل کہ) اُس کے علاوہ ناسخ پر عمل ہوگا۔

[۵۰] (۹) کسی بھی قول کا متون میں درج ہونا؛ یہ اُس قول کو حاصل ہونے والی ضمنی ترجیح ہے۔

[۵۱] (۱۰) (لہٰذا اِس اعتبار سے) متون میں آئے ہوئے اقوال کو، شروح میں آئے ہوئے اقوال پر؛ اور شروح میں آئے ہوئے اقوال کو، ترجیح کے حامل

قدیم فتاویٰ پر ترجیح ہوگی (فتویٰ دینے کے سلسلے)۔

[۵۲] (مگر یہ اُس وقت تک ہے) جب تک کہ متون کے علاوہ قول کی صراحت کے ساتھ تصحیح نہ کی گئی ہو؛ (اگر صراحتاً تصحیح کی گئی ہو) تو پھر ایسی صورت میں وہی قول راجح قرار پائے گا، جس کی صراحتاً تصحیح کی گئی ہے (اگر چہ وہ متون میں نہ آیا ہو)۔

مُلاحَظة: "مالم تصح" کا تعلق، چوں کہ تیسرے شعر سے ہے؛ اس لیے ترجمہ اُسی کے مطابق آسانی کے لیے کردیا گیا۔ "مالم تصح" کا فاعل "روایة" ہے، "بھا الغیر أخذ" کی اصل عبارت یوں ہے: "أخذ الغیر بھا"۔ "بھا" کی ضمیر "روایة" کی طرف راجع ہے۔

وضاحت: "تعلقا" (شعر:۴۳)، "الکفرا" (شعر:۴۸) اور "صححا"، "صرحا" (شعر:۵۲) میں الف اِشباع کا ہے۔

نیز (شعر:۴۹) میں (اعتمد) کو افتعال سے امر کا صیغہ ماننے کے بجائے، افتعال کا ماضی مجہول (أعتُمِدَ) بھی پڑھ سکتے ہیں، اِس صورت میں (فغیرہ) نائبِ فاعل ہو کر مرفوع ہوگا، بعض نسخوں میں اِس طرح بھی ہے؛ باقی ہمارے لیے (اعتمد کا) افتعال کا امر ہونا، ضرورتِ شعری کی وجہ سے زیادہ واضح تھا؛ اِس لیے اِسے امر ہی مان کر (فغیرہ) کو اس کا مفعول بہ بنایا ہے۔

اسی طرح (شعر:۵۴) میں افتعال کے امر کے بجائے، افتعال کا ماضی معروف ہونا زیادہ واضح ہے؛ اِس لیے ہم نے اُسے ہی قبول کیا ہے۔

شَرح: "وھھنا ضوابط" سے لے کر "فالأرجح الذی بہ قد صرحا" تک ۱۳/ اشعار میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے فتویٰ نویسی کے نو (۹) ایسے

ضابطے اور قاعدے بیان کیے ہیں، جنھیں علماء نے راجح قول کی علامت قرار دیا ہے ،علامہ نے اِن قاعدوں کو نہایت ہی عرق ریزی سے، متفرق کتابوں کی ورق گردانی کر کے حاصل کیا ہے اور اُنھیں بہ حوالہ اپنی شرح: ''شرح عقود رسم المفتي '' کے اندر بیان فرمایا ہے، اب ہم ترتیب وار ہر ایک قاعدے کو مختصراً واضح کرتے ہیں۔

عبادات کے تمام اَبواب میں امام صاحب رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا

(۱) جو مسائل نماز، روزہ، حج، زکاۃ وغیرہ عبادات سے متعلق ہوں، اُن میں مطلقاً (کوئی شاگرد ساتھ ہو یا نہ ہو) امام صاحب رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا، الا یہ کہ امام صاحب کی کسی مرجوع عنہ روایت پر مشائخ نے فتویٰ کی صراحت کی ہو، تو پھر ایسی صورت میں امام صاحب رحمہ اللہ کے قولِ مختار کو چھوڑ کر، اُسی کے مطابق فتوی دیا جائے گا۔

مگر یہاں یہ بات یہاں ذہن میں رہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے مشہور قول کو جب کسی مسئلے میں چھوڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور مشائخ دوسرے کسی شاگرد کے قول کے مطابق فتوی دیتے ہیں، تو وہ قول بھی ایسا ہوتا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کی کوئی نہ کوئی روایت، اُس کے مطابق ہوتی ہے، اِس لحاظ سے بالکلیہ امام صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ قول پر عبادات کے ابواب میں بھی فتویٰ نہیں دیا گیا، جیسے ماءِ مستعمل کے پاک ہونے کا قول امام محمد رحمہ اللہ کا ہے، اسی پر فتویٰ ہے؛ مگر یہ امام صاحب رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت ہے؛ لہٰذا اِس اعتبار سے امام صاحب ہی کے قول

پر فتویٰ ہوا۔

اِسی طرح نبیذِ تمر سے وضو کے سلسلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہے، پانی نہ ہونے کی صورت میں اُس سے وضو نہ کرکے تیمّم کیا جائے گا، امام صاحب سے اِس سلسلے میں تین روایتیں ملتی ہیں، آخری روایت امام ابو یوسف رحمہ اللہ ہی کی طرح ہے؛ لہٰذا اَب اِس اعتبار سے صرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ نہیں ہوا؛ بل کہ درحقیقت وہ بھی امام صاحب ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔

قضاء سے متعلق مسائل میں امام اَبو یوسف رحمہ اللہ کا قول مفتیٰ بہ ہے

(۲) قضا و شہادات سے متعلق مسائل میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا؛ اس لیے کہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ عرصۂ دراز تک مسندِ قضا پر فائز رہے، عملی طور پر اُنھوں نے مشکل قضا کا مشاہدہ کیا، جس کی بنیاد پر اُن کے تجربات بڑھے؛ لہٰذا اِس وجہ سے قضا وغیرہ سے متعلق مسائل میں آپ کی رائے زیادہ وزنی ہوگی، جیسے: جب گواہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں، تو دیگر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ قاضی گواہوں کو تلقین نہیں کرسکتا کہ تم اِس طرح اپنی بات کہو، جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اِس کی نہ صرف اجازت دیتے ہیں؛ بل کہ اِسے مستحسن قرار دیتے ہیں؛ بشرطے کہ اِس سے مزید معلومات ہونے کی امید ہو اور طرف داری کا قرینہ نہ پایا جائے، فتویٰ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ ہی کے قول پر ہے۔

ذوی الأرحام کی میراث کے سلسلے میں امام محمد رحمہ اللہ کا قول مفتیٰ بہ ہے

(۳) ذوی الأرحام کے مابین تقسیمِ میراث کے طریقے کے سلسلے میں علماء نے حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے، امام صاحب رحمہ اللہ کی دو روایتوں میں سے مشہور روایت بھی امام محمد رحمہ اللہ کے ہی قول کی طرح ہے؛ لہٰذا اِسی پر فتویٰ دیا جائے گا۔ اِس سلسلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول مرجوح ہے، اُس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا جائے گا، ذوی الأرحام کی مختلف صورتوں میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے مابین اختلاف ہے، جن تمام میں امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہی فتویٰ ہے۔

مثال سے وضاحت

بہ طورِ نمونہ ایک مثال پیش کی جاتی ہے، جس کا تعلق ذوی الأرحام کی پہلی قسم سے ہے:

ذوی الأرحام کی پہلی قسم میں وہ لوگ ہیں، جو میت کی طرف منسوب ہیں؛ یعنی میت کی بیٹی، پوتی کی اولاد (نواسہ، نواسی، پڑپوتا، پڑپوتی اور ان کی اولاد)۔ ان میں میراث تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہے:

(۱) اگر اِن میں کوئی میت سے قریب ہو، اور کوئی دور ہو؛ تو جو قریب ہو، وہ وارث ہوگا اور جو دور ہو، وہ محروم ہوگا۔ جیسے کوئی نواسی ہو، اور کوئی نواسی کا لڑکا ہو، تو نواسی کو وارث قرار دیا جائے گا، نہ کہ نواسی کے لڑکے کو۔

(۲) اگر دونوں برابر درجے کے ہوں، میت سے نہ کوئی قریب ہو، نہ کوئی بعید ہو؛ مگر کوئی وارث کی اولاد ہو اور کوئی ذوی الأرحام کی اولاد ہو، تو جو وارث کی اولاد ہوگی، اُس کو وارث قرار دیا جائے گا اور جو ذوی الأرحام کی اولاد ہوگی، اُس کو محروم قرار دیا جائے گا۔ جیسے: پوتی کی لڑکی اور نواسے کا لڑکا، تو اِس میں پوتی کی لڑکی کو وارث قرار دیا جائے گا، نہ کہ نواسے کے لڑکے کو۔

(۳) اور اگر سب برابر درجے کے ہوں، نیز سب کے سب یا تو وارث کی اولاد ہوں یا سب ذوی الأرحام کی اولاد ہوں، تو اس کی دو صورتیں ہیں:

- اِن کے اصول صفتِ ذکورت اور اُنوثت میں متحد ہوں، تو اِس صورت میں کوئی اختلاف نہیں۔
- ذوی الارحام کی پہلی قسم کے اصول صفتِ ذکورت اور اُنوثت میں متحد نہ ہوں؛ بل کہ اُن میں کسی کے اصول مذکر، تو کسی کے مؤنث ہوں۔

پہلی صورت کی مثال: میت کی ایک بیٹی کا بیٹا، دوسری بیٹی کی بیٹی؛ اس صورت میں بالاتفاق بیٹی کے بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کی بیٹی کو ایک حصہ دیا جائے گا؛ اس لیے کہ دونوں کے اصول یعنی بیٹی صفتِ اُنوثت میں متحد ہیں۔

دوسری صورت کی مثال جو کہ اختلافی ہے، یہ ہے کہ ایک نواسے کی لڑکی، دوسری نواسی کا لڑکا ہو۔ مثلاً: عائشہ کی دو بیٹیاں تھیں: (۱) فاطمہ (۲) رقیہ: فاطمہ کا ایک لڑکا تھا، جس کا نام زید تھا، اس کی ایک بیٹی ہے، اس کا نام ہاجرہ ہے۔ اِسی طرح عائشہ کی دوسری بیٹی رقیہ کی بھی ایک بیٹی تھی، اُس کا نام ام کلثوم تھا، ام کلثوم کا ایک بیٹا ہے، اُس کا نام عبداللہ ہے۔ جس وقت عائشہ کا انتقال ہوا، اُس سے پہلے عائشہ کی دونوں بیٹیوں فاطمہ اور رقیہ؛ اِسی طرح فاطمہ کے بیٹے زید اور رقیہ کی بیٹی ام

کلثوم کا انتقال ہو چکا تھا، عائشہ کے انتقال کے وقت زید کی بیٹی ہاجرہ (عائشہ کی پر نواسی) اور ام کلثوم کا بیٹا عبداللہ (عائشہ کا پرنواسہ) زندہ ہیں۔

دونوں کے اصول میں اختلاف ہے: ایک کے اصول میں عائشہ کا نواسہ (زید) مذکر ہے، دوسرے کے اصول میں عائشہ کی نواسی (ام کلثوم) مؤنث ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تو ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے قاعدے سے دینے کے لیے اصول یعنی نواسہ (زید) اور نواسی (ام کلثوم) کی تذکیر وتانیث کی طرف دیکھے بغیر، نواسے (زید) کی لڑکی (ہاجرہ، عائشہ کی پرنواسی) اور نواسی (ام کلثوم) کے لڑکے (عبداللہ، عائشہ کا پرنواسے) میں تذکیر وتانیث کا اعتبار کرتے ہوئے، نواسے (زید) کی لڑکی (ہاجرہ) کو ایک حصہ اور نواسی (ام کلثوم) کے لڑکے (عبداللہ) کو دو حصے دیتے ہیں۔

جب کہ امام محمد رحمہ اللہ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے قاعدے سے دینے کے لیے، پہلے اصول میں تذکیر وتانیث کا اعتبار کرتے ہیں اور میراث ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے قاعدے سے اُن کے اصول پر تقسیم کرتے ہیں، پھر ہر ایک کے اصول کا حصہ اُن کے فروع کو دیتے ہیں؛ لہٰذا امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے اعتبار سے اِس مسئلے میں پہلے ترکہ موجودہ وارثین کے اصول یعنی نواسے (زید) اور نواسی (ام کلثوم) پر تقسیم فرماتے ہیں اور ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے قاعدے سے نواسے (زید) کو دو حصے اور نواسی (ام کلثوم) کو ایک حصہ دیتے ہیں، پھر نواسے (زید) کے دو حصے، اُن کی بیٹی (ہاجرہ، عائشہ کی پر نواسی) کو دیتے ہیں اور نواسی (ام کلثوم) کا ایک حصہ، اس کے بیٹے (عبداللہ، عائشہ کے پرنواسے) کو دیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ ذوی الارحام کے مابین تقسیمِ میراث کے سلسلے میں، اُن کے موجودہ افراد میں ذکورت واُنوثت کا اعتبار کرتے ہوئے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے قاعدے سے تقسیمِ میراث کے قائل ہیں، جب کہ امام محمد رحمہ اللہ موجودہ افراد کے اصول میں ذکورت و اُنوثت کا اعتبار کرتے ہوئے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے قاعدے سے پہلے وہیں تقسیم میراث فرمادیتے ہیں، پھر ذوی الأرحام کے موجودہ افراد کو ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے قاعدے سے قطعِ نظر، اُن کے اصول کا حصہ دے دیتے ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں موجودہ مثال میں ہاجرہ (عائشہ کی پرنواسی) کو مؤنث ہونے کے باوجود، دو حصے اور عبد اللہ (عائشہ کا پرنواسہ) کو مذکر ہونے کے باوجود ایک حصہ مل رہا ہے۔

استحسان کو قیاس پر ترجیح ہوگی

(۴) اگر کسی مسئلے میں ایک حکم قیاس کے مطابق ہو، اور دوسرا استحسان کے مطابق؛ تو قوتِ دلیل کی بنیاد پر استحسان والا قول راجح ہوگا، اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ جیسے: سواری پر چلتے ہوئے نمازِ جنازہ کے متعلق اگر قیاس پر نظر رکھی جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ سواری پر جائز ہونی چاہیے؛ اس لیے کہ وہ در اصل نماز نہیں؛ بل کہ دعا ہے اور دعا ہر حالت میں جائز ہے، اس کے لیے سواری یا پیدل کی کوئی قید نہیں۔ اس کے برخلاف استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ سواری کی حالت میں نمازِ جنازہ جائز نہ ہو؛ اس لیے کہ تکبیرِ تحریمہ وغیرہ پائے جانے کی وجہ سے، اُس

کی حیثیت نماز کی سی ہے ؛لہٰذا اُس پر فرض نماز کے احکامات جاری کرنے چاہئیں اور بلا عذر سواری پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے۔اس مسئلے میں استحسان کی دلیل، قیاس کے مقابلے میں قوی ہے، اِس بنا پر استحسان ہی کو ترجیح دی گئی ہے۔

بعض مسائل میں قیاس استحسان پر مقدم ہے

مذکورہ ضابطے سے چند مسائل مستثنٰی ہیں، یعنی چند مقامات پر قیاس واستحسان میں تعارض کے وقت، قیاسی حکم کو ہی علماء نے راجح قرار دیا ہے اور اُسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے، جیسے کسی شخص کا مکان اگر آبادی میں واقع ہو اور وہ اُسے توڑ کر خراب کرنا چاہے، تو استحسان کی رو سے اُسے اِس حرکت کی اجازت نہیں ہونی چاہیے ؛ کیوں کہ بنی بنائی چیز کو خواہ مخواہ خراب کرنا اچھا نہیں، اگر اِس کے مطلب کی نہیں، تو فروخت کردے ؛لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اُسے اپنے مکان کے توڑنے کی اجازت ہونی چاہیے؛اس لیے کہ وہ اُس کی ذاتی ملکیت ہے، وہ جس طرح چاہے، اس میں تصرف کرسکتا ہے، فتویٰ اِسی قول پر دیا گیا ہے۔

راجح قیاسی مسائل کی تعداد

یہ مسائل بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق گیارہ اور بعض کی تحقیق کے مطابق بائیس ہیں ، یہ مسائل جن میں قیاس کو استحسان پر ترجیح دی گئی ہے ، چوں کہ بہت واضح ہیں، کتابوں میں اِن تمام مسائل کی نشان دہی کردی گئی ہے، اِسی وجہ سے علامہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "**إلا مسائل وما فيها الالتباس**" (وہ چند مسائل ہیں، جو بالکل معلوم وواضح ہیں)۔

مُلاحَظـة :راجح قیاسی مسائل کی اِس تعداد میں حصر نہیں، یہ بڑھ بھی سکتی ہے؛ حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم نے یہ تعداد چھبیس (۲٦) تک پہنچائی ہے، طلبہ کوشش و ہمت کریں، ممکن ہے اُنھیں مزید کچھ مل جائے۔من جدّ وجدَا!

ظاہر الروایۃ سے عدول جائز نہیں

(۵) یہ بات متعدد مرتبہ آچکی ہے کہ "ظاهر الرواية" اور ترجیحاتِ مشائخ کی پیروی لازم ہے، عام مفتیان کے لیے یہ جائز نہیں کہ بلا کسی معقول عذر کے "ظاهر الرواية" کے ہوتے ہوئے، شاذ روایت پر عمل کرے یا فتویٰ دے، مثال کے طور پر امام محمد رحمہ اللہ سے "ظاهر الرواية" اور حضراتِ شیخین کا مذہب یہ ہے کہ اگر متعدد قضا نمازیں جمع ہو جائیں، تو اُن میں سے پہلی نماز کے لیے اذان و اقامت دونوں کہی جائیں گی اور بعد کی نمازوں میں اختیار ہے، چاہے اذان و اقامت؛ دونوں کہیں یا صرف اقامت پر اکتفا کریں، اِس کے برخلاف امام محمد رحمہ اللہ سے غیر "ظاهر الرواية" میں یہ صراحت منقول ہے کہ پہلی نماز کے علاوہ، بعد کی کسی بھی نماز کے لیے اذان نہ پڑھی جائے، تو یہاں مفتی "ظاهر الرواية" پر فتویٰ دے گا، غیر "ظاهر الرواية" کو اختیار نہیں کرے گا۔ الا یہ کہ مشائخ نے کسی وجہ سے شاذ روایت کے مطابق فتویٰ دیا ہو، تو اَور بات ہے ، جیسے "ظاهر الرواية" یہ ہے کہ عورت کی ہتھیلی کا ظاہری حصہ، ستر میں داخل ہے، جب کہ امام قاضی خاں نے لکھا ہے کہ وہ ستر نہیں ہے، یہ قول غیر "ظاهر الرواية" ہے، اس کے باوجود فتویٰ اِسی پر ہے۔ ہاں! اگر مسئلہ "ظاهر

الروایۃ‘‘ میں نہ ملے اور مذہب کی کسی ’’نادر الروایۃ‘‘ میں پایا جائے، تو اس پر عمل کرنا متعین ہوگا۔

کسی قول پر فتویٰ دینے میں دلیل کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا

(۶) اگر کسی امام سے ایک ہی مسئلے میں متعدد روایتیں منقول ہوں، تو جو روایت دلیل کے اعتبار سے مضبوط ہوگی، اُسے اختیار کیا جائے گا، دلیل خواہ وہ نص ہو یا اجماع یا اجتہاد و قیاس؛ دلیل سے قطعِ نظر کسی بھی روایت پر فتویٰ دے دینا درست نہ ہوگا؛ بل کہ فتوے کے وقت مختلف روایتوں میں جس کی دلیل مضبوط ہوگی، اُسی کے مطابق فتویٰ دینا ہوگا، جیسے: نماز میں تعدیلِ ارکان امام ابو یوسف کے نزدیک فرض ہے، حضراتِ طرفین سے اِس سلسلے میں دو روایتیں ملتی ہیں: ایک کے مطابق سنت اور ایک مطابق واجب ہے؛ وجوب کا قول روایت کے اعتبار سے بھی مضبوط ہے؛ اس لیے کہ یہ قول ’’ھدایۃ ، کنز ، وقایۃ‘‘ وغیرہ متونِ معتبرہ میں ہے، جس کی بنیاد پر اُسے ضمنی تصحیح حاصل ہے اور دلیل: ’’اِرْجِعْ فَصَلِّ؛ فَإِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ‘‘ کے اعتبار سے بھی مضبوط ہے؛ اِس لیے فتویٰ اِسی پر دیا جاتا ہے۔

کفر کے فتوے میں احتیاط ضروری ہے

(۷) ذرا ذرا سی بات پر کسی مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگا دینا؛ یہ نہایت ہی سنگین اور خطرناک بات ہے، علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب: ’’البحر الرائق‘‘ کے ’’باب المرتد‘‘ میں فتاویٰ صغریٰ سے نقل کیا ہے کہ کفر بڑی بھاری

چیز ہے، مجھے اگر کوئی بھی روایت مل جائے، (گوکہ وہ ضعیف ہو) تو میں کسی صاحبِ ایمان کو کافر نہیں بناؤں گا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ یہی فرما رہے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کو کفر سے بچانے کے لیے مذہب کا کوئی ضعیف قول ہو، تو اُسے ہی اختیار کرتے ہوئے کفر کا حکم لگانے سے احتیاط برتی جائے گی، جیسے ایک مسلمان نے دوسرے سے کہا کہ نماز پڑھ لے، اُس نے جواب دیا ''نہیں پڑھوں گا''؛ تو یہ اگر چہ نماز کا انکار ہے، جو کہ کفر ہے؛ مگر یہ ممکن ہے کہ اِس جملے کے استعمال کرنے والے کی مراد، نماز کے لیے کہنے والے کا حکم نہ ماننے کی ہو اور اصل حکم نماز کا انکار اُس کے پیشِ نظر نہ ہو؛ لہٰذا مفتی ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ نہیں لگائے گا۔

مرجوع عنہ قول پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا

(۸) اس شعر میں علامہ رحمہ اللہ نے یہ ضابطہ بیان کیا کہ جس قول سے مجتہد رجوع کرلے، وہ منسوخ کے درجے میں ہوجاتا ہے، عام مفتیوں کے لیے اُس پر عمل کرنا یا اُس کے مطابق فتویٰ دینا جائز نہیں، اب تو بس اُس قول کو تلاش کرنا ضروری ہے، جس کی طرف مجتہد نے رجوع کیا ہے، اُسی پر عمل ہوگا، اُسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا؛ کیوں کہ مرجوع عنہ قول منسوخ کی طرح ہے؛ لہٰذا جس طرح منسوخ پر عمل اور فتویٰ جائز نہیں، اِسی طرح مرجوع عنہ پر عمل اور فتویٰ درست نہیں، جیسے ثخین جراب پر حضراتِ صاحبین مسح کے جواز کے قائل تھے، جب کہ امام صاحب رحمہ اللہ پہلے اِس پر مسح کے عدمِ جواز کے قائل تھے، پھر آپ نے عدمِ جواز کے قول سے رجوع فرمالیا اور اُس پر مسح کے جواز کا فتویٰ دیا؛ لہٰذا اب امام صاحب رحمہ اللہ کے اُس مرجوع عنہ قول کے مطابق فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔

کسی قول کا متون میں ہونا، اس کی ضمنی تصحیح ہے

(۹) اس شعر میں علامہ شامی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ جو قول متن کی معتبر کتابوں میں موجود ہو، فتویٰ اسی پر دیا جائے گا؛ اس لیے کہ کسی قول کا متونِ معتبرہ مثلاً: ”**بداية المبتدي، مختصر القدوري ، النقاية، وقاية، كنز الدقائق، ملتقیٰ الأبحر**“ وغیرہ کتابوں میں آجانا، یہ اُس قول کی ضمنی والتزامی تصحیح ہے، اِن کتابوں کے مصنفین نے خاص طور پر صحیح اقوال نقل کرنے کا التزام کیا ہے؛ لہٰذا جو قول متونِ معتبرہ سے باہر ہوں گے، متون غیر معتبرہ میں، شروحات میں، فتاویٰ میں؛ اُن پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ ہاں! اگر متونِ معتبرہ کے علاوہ قول کی صراحتاً تصحیح وارد ہو، تو پھر ایسی صورت میں اِسی پر فتویٰ دیا جائے گا؛ کیوں کہ صریح تصحیح التزامی تصحیح پر راجح ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر مذہب کے سبھی متون متفق ہیں کہ نابینا شخص کی گواہی پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا، جب کہ شروحات وغیرہ میں امام صاحب رحمہ اللہ کی ایک روایت امام زفر رحمہ اللہ کے واسطے سے، یہ نقل کی گئی ہے کہ جن معاملات کا تعلق محض سماع سے ہے اور اُن میں آنکھوں سے مشاہدے کی ضرورت نہیں، اُن میں نابینا کی گواہی مقبول ہوگی، شروح کی یہ روایت متون کے خلاف ہے اور اِس پر مشائخ کے فتوے کی صراحت بھی نہیں ہے؛ لہٰذا اُصولاً متون کی روایت پر فتویٰ دیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ نابینا کی گواہی معتبر نہیں۔

خلاصۂ کلام! جس قول پر متون متفق ہوں، وہی مفتیٰ بہ اور معتمد علیہ ہوگا، اُس کے بعد دوسرا نمبر اُن اقوال کا ہوگا، جو شروحات میں مذکور ہوں گے، تیسرا نمبر مشائخ

کے فتاویٰ کا ہوگا، جب متون وشروحات میں کوئی روایت منقول نہ ہو، تو ایسی صورت میں فتاویٰ سے تائید حاصل کی جائے گی۔

''فتاویٰ قاضي خان'' اور ''مُلتقیٰ الأبحُر'' میں راجح قول کی علامت

۵۳	وَسَابِقُ الْأَقْوَالِ فِي الْخَانِيَّهْ	✧	وَمُلْتَقَى الْأَبْحُرِ ذُوْ مَزِيَّهْ
۵۴	وَفِيْ سِوَاهُمَا اعْتُمِدَ مَا أَخَّرُوْا	✧	دَلِيْلَهُ لِأَنَّهُ الْمُحَرَّرْ
۵۵	كَمَا هُوَ الْعَادَةُ فِي الْهِدَايَهْ	✧	وَنَحْوِهَا لِرَاجِحِ الدِّرَايَهْ
۵۶	وَكَذَا إِذَا مَا وَاحِدًا قَدْ عَلَّلُوْا	✧	لَهُ، وَتَعْلِيْلَ سِوَاهُ أَهْمَلُوْا

ترجمہ: [۵۳] ''فتاویٰ قاضي خان'' اور ''ملتقی الأبحر'' میں پہلے ذکر کردہ اقوال فضیلت والے (راجح) ہیں۔

[۵۴] اِن دونوں کتابوں کے علاوہ (دیگر کتابوں میں) اُن اقوال کو (فتوے کے لیے) قابلِ اعتماد سمجھا گیا ہے، جن کی دلیل کو اُس کے مصنف نے بعد میں ذکر کیا ہے؛ کیوں کہ وہی قول مفتیٰ بہ ہے۔

[۵۵] جیسا کہ ''هداية'' وغیرہ میں صاحبِ کتاب کا یہی طرز ہے، دلیل کے راجح ہونے کی وجہ سے۔

[۵۶] اسی طرح (راجح ہوگا) وہ قول، جس کی دلیل کو صاحبِ کتاب ذکر کریں اور اُس کے علاوہ دوسرے قول کی دلیل ذکر نہ کریں۔

شرح: اِن چار اشعار میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے کتبِ فقہ میں مفتیٰ بہ قول کی

علامت و پہچان کو بیان فرمایا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں کہ "**فتاویٰ قاضي خان**" اور "**ملتقی الأبحر**" میں راجح ومفتیٰ بہ قول وہ ہوگا، جسے مصنف نے پہلے ذکر کیا ہو، گویا اِن اقوال کا دیگر اقوال پر مقدم ہونا، اِن کے راجح ہونے کی علامت ہے؛ لہٰذا اِن کتابوں میں جو اقوال پہلے ذکر کیے گئے ہیں، اُن پر فتویٰ دیا جائے گا؛ کیوں کہ وہ راجح ہیں اور راجح قول کے مطابق فتوی دینا ضروری ہے۔

"هداية" وغیرہ میں راجح قول کی علامت

علامہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں کتابوں کے علاوہ، دیگر فقہی کتابوں جیسے **هداية**، **هداية** کی شروحات، **کنز الدقائق** کی شرحیں: مثلاً: **البحر الرائق**، **تبيين الحقائق**، اسی طرح "**بدائع الصنائع**" وغیرہ میں راجح ومفتیٰ بہ قول وہ ہوتا ہے، جس کی دلیل مصنفِ کتاب بعد میں ذکر کرتے ہیں، یعنی اِن کتابوں میں کسی قول کی دلیل کا اخیر میں ذکر کیا جانا، اس کے مفتیٰ بہ قول ہونے کی علامت و پہچان ہے۔

اِسی طرح مفتیٰ بہ وراجح قول کی ایک علامت یہ ہے کہ فقہاء مختلف اقوال ذکر کریں؛ مگر اُن میں سے کسی ایک ہی کی دلیل ذکر کریں، باقی اقوال کی دلیل ذکر نہ کریں، اُن کو بغیر دلیل ہی چھوڑ دیں؛ لہٰذا جس قول کی دلیل ذکر کی گئی ہے، وہ راجح سمجھا جائے گا؛ اِس لیے کہ یہ دلیل وعلت کا ذکر اُس قول کے اہم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

مُلاحَظة: مذکورہ بالا تفصیل اس وقت ہے، جب کہ اس التزامی تصحیح کے مقابلے میں صراحۃً تصحیح نہ پائی جائے۔

حضرت شیخ الاسلام کی رائے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں کہ صاحب "بدائع الصنائع" کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر وبیشتر راجح قول کو پہلے ذکر کرتے ہیں۔

و يظهر من صنيع صاحب البدائع أنه يفعل ذلك أيضاً في الغالب.

(أصول الإفتاء و آدابه:۱۸۵)

تصحیحِ صریح کے الفاظ

۵۷	وَحَيْثُمَا وَجَدْتَ قَوْلَيْنِ، وَقَدْ	✦	صُحِّحَ وَاحِدٌ، فَذَاكَ الْمُعْتَمَدْ
۵۸	بِنَحْوِ: ذَا الْفَتْوٰى عَلَيْهِ الْأَشْبَهُ	✦	وَالْأَظْهَرُ الْمُخْتَارُ ذا وَالْأَوْجَهُ
۵۹	أَوِ الصَّحِيْحُ وَالْأَصَحُّ، آكَدُ	✦	مِنْهُ، وَقِيْلَ: عَكْسُهُ الْمُؤَكَّدُ
۶۰	كَذَا: بِهٖ يُفْتٰى ، عَلَيْهِ الْفَتْوٰى	✦	وَذَانِ مِنْ جَمِيْعِ تِلْكَ أَقْوٰى

ترجمہ: [۵۷] اور جہاں (کہیں کتابوں میں) آپ کو دو قول ملے، جن میں سے کسی ایک کی تصحیح کی گئی ہو، تو وہی تصحیح شدہ قول قابلِ اعتماد ہے۔

[۵۸] تصحیح اس طرح کے الفاظ سے کی گئی ہو: "**الفتویٰ علیہ، ھٰذا الأشبه، ھٰذا الأظهر، ھٰذا المختار** اور **ھٰذا الأوجه**"۔

[۵۹] یا (تصحیح کی گئی ہو لفظِ) "**صحیح یا أصح**" کے ذریعے، لفظ

"أصح" لفظِ "صحيح" سے (تصحیح کے سلسلے میں) زیادہ مضبوط ہے۔ اور بعض لوگوں کی رائے ہے کہ لفظ "صحیح" زیادہ مضبوط ہے۔

[۶۰] (یا تصحیح کی گئی ہو) اِسی طرح "بہ یفتیٰ ، علیہ الفتویٰ" کے الفاظ سے اور یہ دونوں الفاظ اوپر ذکر کردہ تمام الفاظ سے (تصحیح کے سلسلے میں) زیادہ قوی ہیں۔

شرح: اب تک آپ نے یہ پڑھا کہ تصحیح دوطرح کی ہوتی ہے: (۱) صریحی (۲) التزامی۔ التزامی جیسے: کسی قول کا "ظاهر الرواية" ہونا، متون میں ہونا، امام صاحب کا ہونا، استحسان کے موافق ہونا، قاضی خان وغیرہ میں پہلے مذکورہ ہونا، ہدایہ وغیرہ میں اُس کی دلیل کا مؤخر الذکر ہونا وغیرہ۔ صریحی تصریح یہ ہے کہ کسی قول کی تصحیح ایسے الفاظ کے ذریعے صراحتاً ہو، جسے فقہاء تصحیح کے لیے استعمال کرتے ہیں، علامہ شامی رحمہ اللہ جب ضمنی تصحیح کے تذکرے سے فارغ ہوگئے، تو اب یہاں سے تصحیحِ صریحی کا تذکرہ فرمارہے ہیں، علامہ رحمہ اللہ نے اشعار میں نو تصحیحی الفاظ اور شرح میں ان کے علاوہ مزید ۶/ الفاظ بہ طورِ مثال ذکر کیا ہے، جو کل ملا کر (۱۵) ہوتے ہیں، جو اشعار میں نہیں ہیں، وہ یہ ہیں: "به نأخذ، عليه الاعتماد، عليه عمل اليوم، عليه عمل الأمة، هو المختار في زماننا، هو فتوىٰ مشائخنا"۔

الفاظِ تصحیح قوت وضعف کے اعتبار مساوی سے نہیں

الفاظِ تصحیح کے ذکر کے بعد، علامہ فرماتے ہیں کہ یہ تصحیحی الفاظ قوت و ضعف کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں؛ بل کہ (۱) لفظِ فتویٰ: لفظِ صحیح، أصح، أشبہ وغیرہ

سے زیادہ مؤکد ہے اور (۲) لفظِ بہ یُفتٰی: لفظِ الفتویٰ علیہ سے زیادہ مؤکد ہے اور (۳) لفظِ اُصح: لفظِ صحیح سے زیادہ مؤکد ہے اور (۴) لفظِ اُحوط: لفظِ احتیاط سے زیادہ مؤکد ہے۔

تصحیحِ صریحی مقدم ہے

کسی مسئلے میں اگر ایک سے زائد اقوال ہوں، تو اُن میں سے اگر کسی ایک کی تصحیح مذکورہ بالا تصحیحی الفاظ میں سے کسی کے ذریعے کی گئی ہو، تو وہ قول راجح ہوگا؛ اِس لیے کہ اُس کے مقابلے میں کسی اور کی تصحیح نہیں کی گئی ہے، اِسی طرح ایک قول ایسا ہو کہ اُس کی ضمنی طور پر تصحیح ہوئی ہو اور دوسرا ایسا ہے کہ اُس کی تصحیح اِن الفاظِ صریح میں سے کسی کے ذریعے ہو رہی ہو، تو چوں کہ صریح تصحیح، ضمنی تصحیح کے مقابلے میں راجح ہوتی ہے؛ اِس وجہ سے صریح تصحیح والا قول راجح ہوگا۔

یہ بات تو اُس وقت ہے کہ جب تصحیح میں تعارض نہ ہو، متعدد اقوال میں سے کسی ایک ہی کی تصحیح کی گئی ہو۔ ہاں! اگر تصحیح میں تعارض ہو، اِس طرح کہ متعدد اقوال کی تصحیح منقول ہو، تو اُس کی تفصیلات آئندہ اشعار کی تشریح میں آرہی ہیں۔

لفظِ "صحیح" اور "اُصح" میں راجح کون ہے؟

یہاں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ لفظِ "صحیح" اور "اُصح" میں تصحیح کے اعتبار سے کون راجح ہے؟ اِس سلسلے میں وضاحت یہ ہے کہ اگر ایک ہی کتاب میں ایک قول کو اُصح اور دوسرے کو صحیح کہا گیا ہے، تو بالاتفاق اُصح کو ترجیح ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی مصنف نے کسی مسئلے میں دو اماموں کی تصحیح نقل کرنے کے بعد یہ کہا ہو کہ فلاں کی تصحیح فلاں سے

اُصح ہے، تو اِس صورت میں بھی بالاتفاق اُصح کو ترجیح ہوگی اور اگر الگ الگ دو کتابوں میں ایک کو صحیح ایک کو اُصح کہا گیا ہو؛ تو اِس صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے؛ مگر اِس صورت میں بھی اُصح کا راجح ہونا ہی مشہور ہے۔

مُلاحظة: یہاں الفاظِ تصحیح کے مراتب علامہ رحمہ اللہ کی شرح "**شرح عقود رسم المفتي**" کی روشنی میں ذکر کردیئے گئے، باقی حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم نے مزید عمدگی کے ساتھ الفاظِ تصحیح کے مراتب کو نہایت ہی آسان انداز میں نقشے کی شکل میں اپنی کتاب: "فتویٰ نویسی کے رہنما اصول" میں ذکر فرمایا ہے، ضرورت محسوس ہونے پر اُس کی بھی مراجعت کی جاسکتی ہے۔

تصحیح میں تعارض ہو اور وجہِ ترجیح نہ ہو

٦١	وَإِنْ تَجِدْ تَصْحِيْحَ قَوْلَيْنِ وَرَدْ	✧	فَاخْتَرْ لِمَا شِئْتَ، فَكُلٌّ مُعْتَمَدْ
٦٢	إِلَّا إِذَا كَانَا صَحِيْحًا وَّأَصَحْ	✧	أَوْقِيْلَ: ذَا يُفْتٰى بِهٖ فَقَدْ رَجَحْ
٦٣	أَوكَانَ فِي الْمُتُوْنِ أَوْ قَوْلَ الْإِمَامْ	✧	أَوْظَاهِرَ الْمَرْوِيِّ أَوْجُلُّ الْعِظَامْ
٦٤	قَالَ بِهٖ، أَوكَانَ الْإِسْتِحْسَانَا	✧	أَوْ زَادَ لِلْأَوْقَافِ نَفْعًا بَانَا
٦٥	أَوْكَانَ ذَا أَوْفَقَ لِلزَّمَانْ	✧	أَوْ كَانَ ذَا أَوْضَحَ فِي الْبُرْهَانْ
٦٦	هٰذَا إِذَا تَعَارَضَ التَّصْحِيْحْ	✧	أَوْلَمْ يَكُنْ أَصْلًا بِهٖ تَصْرِيْحْ
٦٧	فَتَأْخُذُ الَّذِيْ لَهٗ مُرَجِّحْ	✧	مِمَّا عَلِمْتَهٗ، فَهٰذَا الْأَوْضَحْ

ترجمہ: [٦١] اور اگر آپ کو (کتابوں میں) آئے ہوئے دونوں قولوں کی تصحیح مل رہی ہے، تو پھر ایسی صورت میں آپ کو اختیار ہے (فتوے کے لیے) جسے چاہیں منتخب کرلیں؛ اس لیے کہ دونوں میں سے ہر ایک قابلِ اعتماد ہے۔

[٦٢] (یہ بات اُس وقت ہے، جب تصحیح برابر درجے کے الفاظ سے ہو اور مزید کوئی وجہِ ترجیح نہ ہو) ورنہ تو اگر دونوں (میں سے ایک) کی تصحیح لفظِ صحیح اور (دوسرے کی) لفظِ اَصح کے ذریعے ہو (تو اَصح والا قول راجح ہوگا) یا اگر کسی قول کے بارے میں ''یُفتیٰ به'' (اِس پر فتویٰ دیا گیا ہے) کہا گیا ہو، تو لازماً وہی راجح ہوگا۔

[٦٣] یا اُن میں سے کوئی ایک قول متون میں ہو یا وہ امام صاحب کا قول ہو یا وہ ''ظاہر الروایۃ'' ہو یا اکثر بڑے فقہاء اُس کے قائل ہوں (تو پھر وہی راجح ہوگا)۔

مُلاحظة: ''قال به'' کا تعلق '' أو جل العظام '' سے ہے؛ اس لیے ترجمہ آسانی کے لیے اِسی طرح کردیا گیا ہے۔

[٦٤] یا دونوں تصحیح شدہ میں سے کوئی ایک استحسان کے قبیل سے ہو، یا وہ وقف کے لیے واضح طور پر زیادہ نفع بخش ہو (تو وہی راجح ہوگا)۔

[٦٥] یا اُن میں سے کوئی ایک زمانے کے زیادہ موافق ہو یا دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہو (تو پھر وہی راجح ہوگا)۔

[٦٦] یہ تفصیلات اُن دو صورتوں میں ہیں، جب تصحیح میں تعارض ہو یا تصحیح کی بالکل تصریح نہ ہو۔

[٦٧] لہٰذا (جب ایسی صورت ہو) آپ اِس قول کو (فتوے کے لیے) لیجیے، جس کے لیے کوئی مرجح ہو، اُن میں سے جن کا علم اَبھی آپ کو ہوا، یہ بہت واضح بات ہے۔

وضاحت: ”الاستحسانا“ اور ”بانا“ (شعر: ٦٤) میں الف اِشباع کا ہے۔

شَرح: اَبھی اوپر کے اشعار میں علامہ رحمہ اللہ نے یہ بات بیان فرمائی کہ مختلف اقوال میں سے، اگر کسی ایک ہی کی تصحیح الفاظِ تصحیح میں سے کسی کے ذریعے منقول ہو، تو وہ راجح ہوگا؛ نیز یہ بھی بیان کیا گیا کہ الفاظِ تصحیح سب برابر درجے کے نہیں، اِن کے مابین قوت وضعف کے اعتبار سے فرق ہے اور یہ فرق اُس وقت ظاہر ہوگا، جب تصحیح میں تعارض ہوگا۔

اب یہاں سے علامہ رحمہ اللہ یہ بیان فرمارہے کہ اگر کسی مسئلے میں فقہاء کے اَقوال مختلف ہوں اور سب ہی کی تصحیح منقول ہو اور تصحیح کے بعد اُن تصحیح شدہ اقوال میں سے کسی کے لیے کوئی وجہِ ترجیح موجود نہ ہو، نہ تصحیح سے پہلے نہ تصحیح کے بعد، تو مفتی کو اختیار ہوگا کہ وہ ایسی صورت میں تصحیح شدہ اَقوال میں سے جس قول پر چاہے، فتویٰ دے۔

تصحیح میں تعارض ہو اور وجہِ ترجیح موجود ہو

علامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سابقہ حکم اس صورت میں ہے، جب تصحیح شدہ مختلف اَقوال کے ساتھ، مزید کوئی وجہِ ترجیح نہ ہو؛ ورنہ اگر مختلف اَقوال کی تصحیح منقول ہونے کے بعد، اُن میں سے کسی میں کوئی وجہِ ترجیح پائی جائے، تو پھر ایسی صورت میں وجہ

ِ ترجیح کا حامل قول راجح ہوجائے گا، وجوہِ ترجیح علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اِن اشعار میں دس بیان فرمائے ہیں۔

پہلی وجہِ ترجیح: ''صحیح'' کے مقابلے میں ''اَصح'' کا ہونا

اگرایک قول کی تصحیح لفظِ صحیح اور دوسرے کی لفظِ اَصح سے منقول ہو، تو مشہور قول کے مطابق لفظِ اَصح والے کو ترجیح حاصل ہوگی؛ اس لیے کہ یہ واضح ہوچکا کہ لفظ ِ اَصح کو لفظِ صحیح پر فوقیت حاصل ہے؛ لہٰذا یہ فوقیت حاصل ہونا وجہِ ترجیح ہوگی۔

دوسری وجہِ ترجیح: لفظ ''صحیح'' وغیرہ سے تصحیح کے مقابلے میں لفظ ''فتویٰ''

ایک قول کی تصحیح لفظِ فتوی اور دوسرے کی کسی اور لفظ، مثلاً: لفظِ صحیح سے کی گئی ہو، تو لفظِ فتویٰ کے ذریعے تصحیح کیا جانے والا قول راجح ہوگا؛ کیوں کہ جس قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے، وہ صحیح ہوتا ہے؛ مگر ایسا نہیں ہوتا ہے کہ جو بھی قول صحیح ہو، اُس پر فتویٰ دیا ہی جائے؛ کیوں کہ کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے صحیح قول پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔

حاصل یہ نکلا کہ جس قول پر فتویٰ دیا گیا، اُس میں دو باتیں پائی جارہی ہیں: (۱) اُس پر فتوے کی اجازت۔ (۲) اُس کا صحیح ہونا؛ اِس لیے کہ اُس کے مطابق فتوے کی اجازت دینا؛ یہ اُس کی تصحیح ہے، برخلاف صحیح، اَصح وغیرہ کے، کہ اُس میں صرف ایک بات (تصحیح) پائی جارہی ہے؛ لہٰذا لفظِ فتویٰ والا قول اِس لحاظ سے راجح ہوگا کہ وہ صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ فتویٰ دینے کی اجازت پر بھی مشتمل ہے۔

تیسری وجہِ ترجیح: تصحیح میں تعارض کے وقت کسی قول کا متن میں ہونا

دونوں قولوں کی تصحیح برابر درجے کے الفاظِ تصحیح سے کی گئی ہو؛ مگر ایک قول اُن میں سے ایسا ہے، جو متون میں آیا ہوا ہے، تو ایسی صورت میں متون والے قول کو ترجیح ہوگی؛ کیوں کہ متون میں آجانا؛ یہ اُس کے لیے مزید ایک وجہِ ترجیح ہوگئی۔

چوتھی وجہِ ترجیح: تصحیح شدہ اَقوال میں سے کسی کا امام صاحب کا قول ہونا

تصحیح شدہ دوقولوں میں سے ایک اگر امام صاحب کا اور دوسرا حضراتِ صاحبین کا ہو، تو امام صاحب والا قول راجح ہوگا؛ کیوں کہ کسی قول کا امام صاحب کا قول ہونا؛ یہ بجائے خود ایک وجہِ ترجیح ہے۔

پانچویں وجہِ ترجیح: تصحیح شدہ اَقوال میں سے کسی کا ظاہر الروایۃ ہونا

دوقولوں میں سے ہر ایک کی تصحیح برابر درجے کے الفاظ سے ہو؛ مگر اُن میں سے ایک ظاہر الروایۃ ہو، تو وہ راجح ہوگا؛ کیوں کہ کسی قول کا ظاہر الروایۃ ہونا؛ یہ اُس کی ضمنی تصحیح ہے، جو باعثِ ترجیح ہوگی۔

چھٹی وجہِ ترجیح: تصحیح شدہ اَقوال میں سے کسی کا اَکثر مشائخ کا قول ہونا

تصحیح شدہ دوقولوں میں سے اگر کوئی ایک ایسا ہو، جسے اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہو،تو وہی راجح ہوگا؛ کیوں کہ اکثر مشائخ کا اُسے اختیار کرنا، یہ اُس قول کے لیے مزید ایک وجہِ ترجیح ہوگی۔

ساتویں وجہِ ترجیح: تصحیح شدہ اَقوال میں سے کسی کا استحسان کے قبیل سے ہونا

تصحیح شدہ دوقولوں میں سے اگر کوئی ایک استحسان کے قبیل سے ہو اور دوسرا قیاس کے،تو استحسان والا راجح ہوگا؛ کیوں کہ استحسان کی دلیل قوی ہوتی ہے، جو سببِ ترجیح ہوگی۔

آٹھویں وجہِ ترجیح: متعارض اَقوال میں سے کسی کا اَوقاف کے حق میں زیادہ نفع بخش ہونا

اوقاف کے سلسلے میں دومتعارض اقوال میں سے،جس قول کواختیار کرنے میں وقف کا نفع زیادہ ہو،اُسے اختیار کیا جائے گا،وقف کے نفع کا زیادہ ہونا؛ یہ اُس قول کے راجح ہونے کا سبب ہوگا۔

نویں وجہِ ترجیح: متعدد مساوی درجے کے اُقوال میں سے کسی کا عرف وعادت کے موافق ہونا

دو قول مساوی درجے کے ہوں، (دونوں کی تصحیح وارد ہوئی ہو یا دونوں میں سے کسی کی تصحیح نہ کی گئی ہو) تو ایسی صورت میں جو قول اہلِ زمانہ کے عرف وعادت کے موافق ہوگا، جس میں لوگوں کے لیے آسانی ہوگی، اس پر فتویٰ دیا جائے گا؛ کیوں کہ یہ سب چیزیں اُس قول کے لیے باعثِ ترجیح ہوں گی۔

دسویں وجہِ ترجیح: تصحیح شدہ مختلف اُقوال میں سے کسی کی دلیل کا قوی ہونا

دو قولوں میں سے اگر ہر ایک کی تصحیح کی گئی ہو، تو جس قول کی دلیل زیادہ مضبوط ہوگی، اُس پر فتویٰ دیا جائے گا؛ کیوں کہ دلیل کا قوی ہونا، یہ اُس قول کے لیے وجہِ ترجیح ہوگی۔

یہ وجوہِ ترجیح کب مفید ہوں گی؟

مذکورہ بالا دس وجوہِ ترجیح کے بیان کے بعد ''**هذا إذا تعارض التصحيح .... اهـ**'' سے علامہ رحمہ اللہ یہی فرما رہے ہیں کہ یہ وجوہِ ترجیحات دو صورتوں میں مفید ہوں گی:

- جب تصحیح میں تعارض ہو یعنی متعدد اقوال کی تصحیح مروی ہو۔

• اُس وقت جب کسی بھی قول کی صراحۃً کوئی تصحیح منقول نہ ہو؛ لہٰذا جب ایسی صورت پیش آجائے، تو جن وجوہِ ترجیح کا علم ابھی آپ کو ہوا، مثلاً اُن میں سے کسی کا قول متون میں ہونا یا امام صاحب رحمہ اللہ کا قول ہونا، یا ظاہر الروایۃ ہونا وغیرہ؛ اِن کے ذریعے ترجیح قائم کر کے فتوی دینے کے عمل کو پورا کیجیے۔

مفہومِ مخالف کی بحث

٦٨	وَاعْمَلْ بِمَفْهُوْمِ رِوَايَاتٍ أَتٰى	❖	مَا لَمْ يُخَالِفْ لِصَرِيحٍ ثُبِتَا

ترجمہ: [٦٨] آپ فقہی روایات سے نکلنے والے مفہومِ مخالف پر عمل کر سکتے ہیں، جب تک کہ وہ مفہومِ مخالف کسی صریح ثابت قول کے خلاف نہ ہو۔

وضاحت: "ثُبِتَا" میں الف اشباع کا ہے۔

شرح: یہاں سے علامہ شامی رحمہ اللہ مفہومِ مخالف سے ثابت شدہ احکام پر عمل کرنے کی بات ارشاد فرما رہے ہیں، وضاحت اُس کی یہ ہے کہ متأخرینِ احناف کے نزدیک فقہی روایات، عقلی دلائل، لوگوں کی آپسی گفتگو، حتیٰ کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے وہ اجتہادی اقوال، جو مدرک بالقیاس ہوں (اس لیے کہ جو اُقوال غیر مدرک بالقیاس ہوں گے، وہ حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہوں گے، اُن میں مفہومِ مخالف معتبر نہیں ہوگا)؛ اِن سب میں مفہومِ مخالف معتبر ہے، اِن میں مفہومِ مخالف سے جو بات مستنبط ہو کر سامنے آئے گی، اُس پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے، اُس کے مطابق عمل کیا جا سکتا ہے؛ بہ شرطے کہ مفہومِ مخالف کے خلاف کوئی صریح حکم نہ پایا جائے، ایسی صورت میں مفہومِ مخالف پر عمل نہیں ہوگا؛ کیوں کہ جو بات صراحتاً ثابت ہو، وہ اُس کے مقابلے میں راجح ہے، جو کلام سے مفہوم ہو رہی اور سمجھی جا رہی

ہے، مفہومِ مخالف کی قدرے وضاحت پیشِ خدمت ہے۔

مفہوم کسے کہتے ہیں؟

مفہوم وہ بات کہلاتی ہے، جو کلام سے سمجھی جاتی ہے، کلام بہ راہِ راست اُس کے لیے بولا نہیں جاتا۔

مفہوم کی قسمیں اور تعریفات

(۱) مفہومِ موافق (۲) مفہومِ مخالف۔

• مفہومِ موافق

یہ ہے کہ الفاظ اُس بات پر دلالت کریں کہ جو حکم منطوق (مذکور) کا ہے، وہی حکم مسکوت عنہ (غیر مذکور) کا بھی ہے اور الفاظ کی یہ دلالت غور وفکر اور اجتہاد پر موقوف نہ ہو؛ بل کہ لفظ کے لغوی معنی جان لینے سے ہی یہ دلالت سمجھ میں آ رہی ہو۔ مثلاً: ارشادِ ربانی ﴿فَلاَ تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍ وَّلاَ تَنْهَرْهُمَا﴾ [الإسراء: ۲۳] سے یہ استدلال کرنا کہ جس طرح والدین کو زبان سے تکلیف دینا حرام ہے، اُسی طرح مار پیٹ کر اذیت دینا بھی حرام ہے۔ ظاہر ہے کہ اِس استدلال میں کسی غور وفکر اور اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے؛ بل کہ محض عربی زبان جان لینے سے ہی یہ معنی سمجھ میں آ جاتے ہیں۔

• مفہومِ مخالف

یعنی لفظ سے یہ استدلال کرنا کہ جو حکم منطوق کے لیے ثابت کیا جا رہا ہے، اُس کی نقیض غیرِ منطوق کے لیے ثابت ہے۔ مثلاً: کسی کے قول: ''فجر کی نماز فرض ہے۔'' سے یہ سمجھنا کہ ''فجر کے علاوہ کوئی نماز فرض نہیں ہے''۔

مفہوم مخالف کی پانچ مشہور قسمیں ہیں

- **مفہوم صفت**

یعنی منصوص علیہ کی ممکنہ صفات میں سے، حکم کو کسی ایک صفت کے ساتھ خاص کر دینے سے، یہ استدلال کرنا کہ اُس صفت کی غیر موجودگی میں مذکورہ حکم کا وجود نہ ہوگا۔

مثلاً: "في الغنم السائمة زكوة" سے یہ حکم مستنبط کرنا کہ غیر سائمہ (گھر پر چارہ کھانے والی) بکریوں پر زکاۃ فرض نہیں ہے۔

- **مفہوم شرط**

یعنی کسی حکم کے کسی شرط کے ساتھ خاص کر دینے سے، یہ سمجھنا کہ غیر مشروط کے لیے مشروط کا مخالف حکم ثابت ہے۔ مثلاً ارشادِ ربانی: ﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ [الطلاق: ٦] سے یہ دلیل پکڑنا کہ جو مطلقہ بائنہ حاملہ نہ ہو، اُس کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں۔

- **مفہوم غایت**

یعنی کسی انتہا تک محدود حکم کے بارے میں، یہ رائے قائم کرنا کہ انتہا ختم ہوتے ہی، ماقبلِ انتہا حکم کی نقیض مابعدِ انتہا کے لیے ثابت ہو جائے گی۔ مثلاً: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ [البقرة: ٢٣٠] میں عدمِ حلیت کا حکم نکاحِ ثانی کی انتہا تک محدود ہے، اِس سے یہ استدلال کرنا کہ نکاح ہوتے ہی ماقبلِ نکاح حکم (عدم حلیت) کی نقیض (حلیت) کا ثبوت ہو جائے گا اور جماع کی شرط، حلیت کے لیے نہ ہوگی۔

- **مفہومِ عدد**

جو حکم کسی خاص عدد کے ساتھ وارد ہو، اُس سے یہ دلیل پکڑنا کہ عددِ مذکور کے علاوہ میں، اِس حکم کی نقیض ثابت ہے۔ مثلاً: ﴿فَاجْلِدُوهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ [النور: ۴] سے یہ استدلال کرنا کہ اَسی (۸۰) سے زائد کوڑے لگانے کی اجازت نہیں ہے۔

- **مفہومِ لقب**

یعنی حکم کو کسی اسمِ جامد (غیر مشتق) کے ساتھ معلق کر دینا۔ مثلاً: ''في الغنم زكوة'' سے، یہ سمجھنا کہ غنم کے علاوہ کسی جانور میں زکاۃ واجب نہیں ہے۔

مفہوم کی کون سی قسم معتبر ہے؟

مفہوم کی بنیادی دو قسموں: (موافق، مخالف) میں سے پہلی قسم: ''مفہومِ موافق''، تمام ہی علماء وفقہاء کے نزدیک نصوصِ شرعیہ، غیر شرعیہ؛ ہر جگہ معتبر ہے اور دوسری قسم: ''مفہومِ مخالف'' کی اقسام میں سے ''مفہومِ لقب'' تو کسی کے نزدیک معتبر نہیں؛ البتہ اِس کے علاوہ بقیہ چاروں قسمیں حضراتِ شوافع کے نزدیک معتبر ہیں؛ اِسی بنا پر شافعیہ کے نزدیک مفہومِ مخالف سے استدلال کرتے ہوئے، ''مفہومِ صفت'' کے اعتبار سے گھر پر چارہ کھانے والے جانوروں پر زکاۃ فرض نہیں، ''مفہومِ شرط'' کا اعتبار کرتے ہوئے بائنہ غیر حاملہ کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔ ''مفہومِ غایت'' کا اعتبار کرتے ہوئے نکاحِ ثانی ہوتے ہی، بغیر جماع کے مطلقۂ ثلاثہ شوہرِ اول کے لیے حلال ہے۔ ''مفہومِ عدد'' کا اعتبار کرتے ہوئے حدِ قذف میں اسّی (۸۰) سے زائد کوڑے کی اجازت نہیں؛ مگر یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر

رہے کہ ''مفہومِ مخالف'' کے قائلین کے نزدیک بھی یہ دلالت ظنی ہے؛ لہٰذا اگر کوئی واضح دلیل ''مفہومِ مخالف'' کی دلالت کے برخلاف آجائے، تو ''مفہومِ مخالف'' کی دلالت کو چھوڑ دیا جائے گا اور واضح دلیل پر عمل کیا جائے گا۔

مثال کے طور پر ''مفہومِ غایت'' سے یہ معلوم ہوا کہ مطلقۂ ثلاثہ نکاحِ ثانی کے بعد بغیر جماع کے شوہرِ اول کے لیے حلال ہوجائے گی؛ مگر اس کے خلاف ''حدیثِ عسیلہ'' وارد ہے، جس میں حضور ﷺ نے وضاحت فرمادی ہے کہ مطلقۂ ثلاثہ شوہرِ اول کے لیے اُس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی، جب تک کہ شوہرِ ثانی اُس سے جماع نہ کرلے؛ لہٰذا اِس مسئلے میں ''مفہومِ مخالف'' کی دلالت کو نظر انداز کر کے حدیث پر عمل کرنا لازم ہوگا، یہی بہ شمولِ شافعیہ جمہور علماء کا مسلک ہے۔

(فتویٰ نویسی کے رہنما اصول:۲۸۸)

حنفیہ کے یہاں مفہومِ مخالف کہاں معتبر ہے؟

حنفیہ کے یہاں متأخرین علماء کی صراحت ہے کہ لوگوں کی آپسی بول چال، اُن کے عرف ومعاملات، فقہی روایات، صحابہ کے اجتہادی اقوال، دلائلِ عقلیہ وغیرہ میں مفہومِ مخالف کی تمام قسمیں: (مفہومِ لقب بھی، جو شوافع کے یہاں غیر معتبر ہے) معتبر ہیں۔

لوگوں کی آپسی گفتگو، معاملات وغیرہ میں مفہومِ مخالف کے معتبر ہونے کی مثال

اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے کہے کہ میرے اوپر تیرے سو روپے سے زیادہ واجب نہیں، تو اُس کا یہ قول سو روپے کے اقرار کے مرادف ہوگا اور یہ جملہ

کہنے والے پر سو روپے لازم ہوں گے، ظاہر ہے کہ یہ اقرار کا حکم مفہومِ مخالف کے اعتبار کی بنیاد پر ہے۔

فقہی روایات میں مفہومِ مخالف کے معتبر ہونے کی مثال

فقہ کی کتابوں میں یہ جزئیہ ہے: "**وليس على المرأة أن تنقض ضفائرها**" (اور غسل کے وقت عورت پر اپنی گوندھی ہوئی چوٹیاں کھولنا ضروری نہیں)۔ اِس سے معلوم ہوا کہ یہاں عورت کی قید سے مرد سے احتراز مقصود ہے (مرد نے اگر بڑے بال رکھے ہیں اور بالوں کی چوٹیاں بنا رکھی ہے، تو غسلِ جنابت کے وقت اُس پر لازم ہے کہ چوٹیاں کھول کر غسل کرے)۔

صحابہ کرام کے اقوال میں مفہومِ مخالف کے معتبر ہونے کی مثال

حدیثِ شریف میں ہے کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "**لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ.**" (سب کے سب کو عصر کی نماز بنوقیظہ میں پڑھنی ہے)، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادات اس موقع سے بدل گئے، بعضوں نے لفظ کے ظاہری معنی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا کہ بنوقریظہ میں ہی نماز پڑھنی ہے؛ اس کا مفہومِ مخالف یہ ہوا کہ اِس سے پہلے راستے میں نماز نہیں پڑھنی ہے؛ اگرچہ نماز کا وقت ختم ہو جائے۔

دوسرے بعض نے نماز کو وقت پر ادا کرنے سے متعلق نصوص کے پیشِ نظر آپ ﷺ کے مبارک ارشاد کا مطلب یہ سمجھا کہ تعجیل مراد ہے، یہ نہیں کے نماز کا وقت

نکلتا بھی رہے، تو بھی بنو قریظہ میں ہی نماز پڑھنی ہے، اس کا مفہومِ مخالف یہ نکلا کہ اگر راستے میں نماز کا وقت ہو جائے، تو نماز پڑھ لینی ہے، آپ ﷺ کے حکم کی خلاف وارزی نہیں ہوگی؛ دونوں جماعت نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور آپ ﷺ نے دونوں کے اجتہاد کی تصویب فرمائی۔

دلائلِ عقلیہ میں مفہومِ مخالف کے معتبر ہونے کی مثال

فقہ کی کتابوں میں یہ جزئیہ ہے کہ اگر کوئی درندہ محرم پر حملہ کردے اور محرم حالتِ احرام میں اپنے بچاؤ کے لیے اُسے قتل کرڈالے، تو محرم پر کوئی دم وغیرہ واجب نہیں، پھر اِس کی دلیل یہ دی جاتی ہے: ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حالتِ احرام میں ایک درندے کو مارڈالا، پھر بہ طورِ دم ایک مینڈھے کی قربانی دی اور اپنے اس عمل کی علت یہ بیان فرمائی کہ "إنا ابتدأناه" یعنی ہم نے درندے پر حملے کا اقدام کیا تھا۔ اِس علت سے یہ حکم مفہوم ہوا کہ اگر محرم اقدام نہ کرے؛ بل کہ درندہ جب حملہ کرے، تو محرم اپنے دفاع میں اُسے مارڈالے، تو پھر ایسی صورت میں کوئی دم واجب نہ ہوگا؛ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا یہ مفہوم نہ لیا جائے، تو پھر حضرت کے قول "إنا ابتدأناه" کی تعلیل کا کوئی فائدہ نہیں رہے گا۔

احناف کے یہاں نصوصِ شرعیہ میں مفہومِ مخالف معتبر کیوں نہیں؟

احناف کے یہاں کلامِ شارع میں مفہومِ مخالف اس لیے معتبر نہیں کہ کلامِ شارع میں کسی چیز کا صراحۃً تذکرہ ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اُس کا

فائدہ، اُس کے علاوہ سے حکم کی نفی ہی ہو؛ اِس لیے کہ کلامِ شارع بلاغت کا مخزن ہے، کسی چیز کا خصوصیت سے کلامِ شارع میں تذکرہ کبھی کسی اور مقصد سے بھی ہوتا ہے۔ جیسے ارشادِ باری ہے: ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ﴾ [النساء: ۲۳] (تمھارے لیے حرام ہیں تمھاری بیویوں کی وہ بیٹیاں، جو تمھاری پرورش میں ہیں۔) اس آیت میں ﴿حُجُوْرِكُمْ﴾ کی قید کا فائدہ بالا جماع یہی ہے کہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ بیوی کی سابق شوہر کی اولاد، دوسرے شوہر کی پرورش میں آجاتی ہے۔ آیتِ شریفہ کا مفہومِ مخالف مراد لیتے ہوئے کسی کے نزدیک بھی یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ لڑکی موجودہ شوہر کی پرورش میں نہ ہو، تو اُس سے نکاح جائز ہے اور جہاں تک لوگوں کے کلام کی بات ہے، تو وہ اس طرح کی خوبیوں سے خالی ہوتا ہے؛ لہٰذا اُن کے کلام میں مفہومِ مخالف سے استدلال کیا جائے گا۔

ایک اہم نوٹ

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال میں جو مفہومِ مخالف معتبر ہے، اِس سے مراد وہ اقوال ہیں، جو ''مدرَک بالقیاس'' ہوں، جن کا مدار غور وفکر پر ہو۔ وہ اقوال مراد نہیں، جو ''غیر مدرَک بالقیاس'' ہوں، جو عقل سے نہ سمجھے جا سکتے ہوں؛ اس لیے کہ ایسا کلام تو حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہوگا اور کلامِ شارع میں شمار کیا جائے گا اور یہ بات پہلے آچکی کہ کلامِ شارع میں مفہومِ مخالف معتبر نہیں۔

جہاں مفہومِ مخالف معتبر ہے، وہاں شرط کے ساتھ معتبر ہے

متأخرین علمائے احناف نے مفہومِ مخالف کو جہاں بھی معتبر مانا ہے، وہ اِس قید کے ساتھ مقید ہے کہ اُس کے خلاف کوئی صریح جزئیہ یا قول موجود نہ ہو، ''مَا لَم

يخالِفُ لصريحِ ثبتا" سے علامہ شامی رحمہ اللہ نے اسی بات کو بیان فرمایا ہے:

ہدایہ وغیرہ میں ہے: "**وسُننُ الطهارةِ غَسلُ اليدين قبلَ إدخالِهما الإناءَ إذا استيقظ المتوضيء من نومه....اهـ**" (نیند سے بیدار ہونے والے شخص کے لیے یہ مسنون ہے کہ وہ جب وضو کا ارادہ کرے، تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھولے)، جس کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ وضو کا ارادہ کرنے والا شخص اگر نیند سے بیدار نہیں ہوا ہے، تو پھر اُس کے لیے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھونا مسنون نہیں؛ مگر اس کے بالمقابل "**تحفة الفقهاء**" اور "**المحيط البرهاني**" میں یہ مسئلہ صاف طور پر اس طرح لکھا ہے کہ وضو شروع کرتے وقت، دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے گٹوں تک دھونا مسنون ہے؛ اِن دونوں کتابوں میں نیند سے بیدار ہونے، نہ ہونے کی کوئی قید نہیں۔

دونوں کتابوں کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

- **والثالث : غسل اليدين إلى الرسغين لإدخالهما في الإناء احترازاً عن توهم النجاسة.** (تحفة الفقهاء:۱/۱۲)

- **إن كان الإناء صغيراً ، يمكنه رفعه ، لا يُدخِل يده فيه ؛ بل يرفعه بشماله ويصبه على كفه اليمنى و يغسلها ثلثاً، ثم يأخذ الإناء بيمينه ويصب الماء على كفه اليسرى و يغسلها ثلثاً ، وإن كان الإناء كبيراً لا يمكن رفعه ....فإن كان معه كوز صغير يرفع الماء بالكوز و لا يدخل يده فيه....اهـ.**

(المحيط البرهاني،الطهارات،الفصل الأول في الوضوء:۱/۱۶۹)

لہٰذا ہدایہ وغیرہ کی عبارت کا جو مفہومِ مخالف نکل رہا تھا: ''نیند سے بیدار نہ ہونے والے کے لیے وضو سے پہلے دونوں ہاتھوں کے گٹوں تک دھونے کا مسنون نہ ہونا''؛ اب اس صریح جزیئے کے مقابلے میں اُس کا اعتبار نہیں ہوگا اور وضو کا ارادہ کرنے والے کے لیے، خواہ وہ نیند سے بیدار ہونے والا ہو یا نہ ہو؛ دونوں کے لیے برابر درجے میں پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک دھونا مسنون رہے گا۔

تنبیہ: یہ مثال اس وقت ہے، جب ہدایہ وغیرہ کی عبارت میں ''إذا استیقظ من نومہ'' کی قید کو اتفاقی مانا جائے؛ ورنہ بعض علماء نے اِس قید کو احترازی مانا ہے، اس صورت میں یہ جزئیہ مثال نہیں بن سکتا؛ باقی حکم تو وہی رہے گا کہ صریح جزیئے کے مقابلے میں مفہومِ مخالف کا اعتبار نہیں۔

عرف کی بحث

٦٩	وَالْعُرْفُ فِي الشَّرْعِ لَهُ اعْتِبَارُ	لِذَا عَلَيْهِ الْحُكْمُ قَدْ يُدَارُ

تَرْجَمَۃ: [٦٩] اور شریعت میں عرف کا بھی (فتویٰ دینے کے سلسلے میں) اعتبار ہے، یہی وجہ ہے کبھی حکم کی بنیاد اُس پر بھی ہوتی ہے۔

شَرْح: اِس شعر کے ذریعے علامہ شامی رحمہ اللہ فتویٰ نویسی کی یہ راہ نمائی فرمارہے ہیں کہ فتویٰ دیتے وقت، حضراتِ مفتیان کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے عرف وعادت کا بھی لحاظ رکھیں، جب تک کہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہو؛ اس لیے کہ شریعت میں عرف کا بھی اعتبار کیا گیا ہے اور اِس پر احکامات کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

عرف وعادت کی تعریف

علامہ رحمہ اللہ نے شرح میں عرف وعادت کی دو تعریف بیان فرمائی ہے:

- **العرف والعادة ما استقر في النفوس من جهة العقل وتلقته الطبائع السليمة بالقبول.**

(عرف وعادت کا اطلاق، اُس قول وعمل پر ہوتا ہے، جو عقلاً لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو جائے اور سنجیدہ طبیعت کے افراد اُسے قبول کرلیں۔)

- **العادة هي الأمر المتكرر من غير علاقة عقلية.**

(عادت اس قول وعمل کو کہا جاتا ہے، جو کسی عقلی وجہ کے بغیر، (بلا تکلف) بار بار کیا جائے۔)

عرف وعادت کے مابین فرق

مذکورہ بالا دونوں تعریفوں کے ذکر سے علامہ شامی رحمہ اللہ کا مقصود عرف وعادت کے درمیان ایک لطیف فرق کا بیان ہے، وہ یہ کہ عادت کے معنے میں عموم ہے؛ ہر وہ کام جو بار بار بغیر کسی وجہ کے دوہرایا جائے، وہ عادت کہلاتا ہے، خواہ اُسے عقل قبول کرے یا نہ کرے۔ جیسے: کسی انسان کی زبان پر کوئی لفظ چڑھ جاتا ہے، وہ دورانِ گفتگو بلا وجہ بار بار اُس لفظ کو بولتا ہے۔

عرف کے معنے میں کچھ خصوص پایا جاتا ہے، وہ یہ کہ عرف اُسی عادت کو کہیں گے، جو لوگوں میں عقل کے تقاضے سے رائج ہو، اور سنجیدہ طبیعتیں اُسے قبول کرلیں۔ اہلِ فقہ عام طور پر عادت کا لفظ عرف کے معنے میں استعمال کرتے ہیں؛ مگر اہلِ اصول دونوں کو مترادف معنے میں استعمال کرتے ہیں۔

عرف کے بدلنے سے اُحکام میں تبدیلی

عرف کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں، بہت سے ایسے احکام ہیں کہ صاحبِ مذہب مجتہد نے اپنے عرف اور اپنے زمانے کے احوال پر اس کی بنیاد رکھی تھی؛ مگر زمانے کی تبدیلی یا ضرورت کی وجہ سے وہ بدل گئے۔ جیسے: متأخرین فقہاء کا تعلیمِ قرآن، امامت، تدریس وغیرہ پر ضرورت کی وجہ سے اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دینا، زمانے کی تبدیلی اور لوگوں کے احوال کے بدل جانے کی وجہ سے گواہوں میں ظاہری عدالت کا کافی نہ ہونا وغیرہ۔

زمانے کی تبدیلی یا ضرورت وغیرہ کی بنیاد پر متأخرین نے اور بہت سے مسائل میں صاحبِ مذہب امام کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے "شرح عقود رسم المفتي" کے اندر بہ طورِ مثال ایسے چوبیس مسائل ذکر کیے ہیں، جن میں متأخرین فقہاء نے مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر فتوے میں تبدیلی کی ہے۔ اور درحقیقت فتوے میں یہ تبدیلی امام مذہب کی مخالفت نہیں؛ بل کہ موافقت ہے؛ کیوں کہ اُنھوں نے اپنے وقت میں جو رائے قائم کی تھی، وہ بھی اپنے زمانے کے عرف وعادت اور ضرورت وغیرہ کو سامنے رکھ کر ہی کی تھی؛ لہٰذا اگر یہ بدلتی ہوئی صورت، اُن کے سامنے آجاتی، تو ان ہی وجوہات کی بنیاد پر وہ بھی اپنی رائے بدل لیتے۔

عرف دو طرح کا ہوتا ہے

عرف کے سلسلے کی مزید وضاحت یہ ہے کہ عرف کی دو قسمیں ہیں:

- عرفِ عام
- عرفِ خاص

عرفِ عام: ایسا رواج، جو تمام ممالک میں رائج ہو۔

عرفِ خاص: ایسا معاملہ جو کسی خاص شہر میں رائج ہو، پورے ملک میں نہ ہو۔

عرفِ عام سے عمومی حکم ثابت ہوتا ہے اور اُس کے ذریعے قیاس اور حدیث میں تخصیص کی جاتی ہے۔

عرف خاص کا معاملہ اُس سے مختلف ہے؛ کیوں کہ اُس سے خاص حکم ثابت ہوتا ہے، بہ شرطے کہ وہ قیاس یا حدیث کے خلاف نہ ہو؛ کیوں کہ عرفِ خاص قیاس وحدیث کے لیے مخصِّص نہیں بن سکتا۔

عرفِ عام کی مثال

استصناع (آرڈر دے کر مبیع تیار کرانا) کی بیع، یہ عرف وتعامل کی وجہ سے جائز ہے، حالاں کہ یہ غیر موجود شیء کی بیع ہے، جو شرعاً ممنوع ہے؛ مگر جس نص میں بیعِ معدوم سے منع کیا گیا ہے، اس میں تخصیص کرتے ہوئے، بر بنائے تعامل صرف استصناع کی بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے، اس کے علاوہ میں بیعِ معدوم کی ''نہی'' اپنی جگہ پر بہ دستور قائم ہے؛ لہٰذا نص کو بالکلیہ ترک کرنا لازم نہیں آیا۔ ہاں! اگر استصناع کے علاوہ بھی خرید وفروخت کی تمام صورتوں میں مبیع کے معدوم ہوتے ہوئے بیع کو جائز قرار دیا جائے، تو یہ نص کو ترک کرنا ہوگا، جو کہ کسی بھی طرح درست نہیں۔

عرف خاص سے اگر ترکِ نص یا تخصیصِ نص لازم نہ آئے، تو عرفِ خاص اس کے استعمال کرنے والوں میں اَیمان (قسموں کے بارے) میں متعارف الفاظ، اِسی طرح بیع اِجارہ وغیرہ میں رائج طور طریقے میں معتبر ہوتا ہے؛ اگر چہ وہ عرف ''ظاهر الرواية'' کے خلاف ہو۔

عرفِ خاص کی مثال

بنگلور وغیرہ سمیت جنوبی ہند کے متعدد شہروں میں کھانا ''چاول'' کو کہا جاتا ہے، دیگر بہت سے علاقوں میں مطلقاً کھانے کی چیز خواہ ''روٹی'' ہو یا ''چاول''؛ سب پر کھانے کا اطلاق ہوتا ہے؛ لہٰذا بنگلور کا رہنے والا شخص اگر یہ قسم کھالے کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا، پھر وہ روٹی کھالے، تو حانث نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اِس کی قسم کے الفاظ کا اعتبار اُن کے عرف کے مطابق ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اُس نے خاص طور پر چاول نہ کھانے کی قسم کھائی ہے۔

خلاصۂ کلام

- عرف کی وجہ سے اگر ترکِ نص لازم آتا ہو، تو مطلقاً عرف کا اعتبار نہیں، خواہ عرفِ عام ہو یا خاص۔
- عرف کی وجہ سے اگر نص میں تخصیص لازم آرہی ہو، تو ایسی صورت میں صرف عرفِ عام کا اعتبار رہوگا۔
- اگر عرف کے مطابق عمل کرنے سے نہ ترکِ نص لازم آتا ہو، نہ تخصیصِ نص؛ تو ایسی صورت میں عرفِ خاص بھی معتبر ہے۔

قولِ ضعیف پر صرف دو صورت میں عمل کی گنجائش ہے

۷۰	وَلَا يَجُوْزُ بِالضَّعِيْفِ الْعَمَلُ	✥	وَلَا بِهٖ يُجَابُ مَنْ جَاءَ يَسْأَلُ
۷۱	إِلَّا لِعَامِلٍ لَهٗ ضَرُوْرَهْ	✥	أَوْمَنْ لَهٗ مَعْرِفَةٌ مُشْهُوْرَهْ
۷۲	لٰكِنَّمَا الْقَاضِيْ بِهٖ لَا يَقْضِيْ	✥	وَإِنْ قَضَا فَحُكْمُهٗ لَا يَمْضِيْ

۷۳	لَاسِيَّمَا قُضَاتُنَا إِذْ قُيِّدُوْا	❖	بِرَاجِحِ الْمَذْهَبِ حِيْنَ قُلِّدُوْا
۷۴	وَتَمَّ مَا نَظَمْتُهُ فِيْ سِلْكِ	❖	وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ خِتَامُ مِسْكِ

ترجمۃ: [۷۰] ضعیف قول پر مفتی نہ خود عمل کرسکتا ہےاور نہ ہی کسی (مسئلہ معلوم کرنے کے لیے) آنے والے سائل کو، اُس کے مطابق فتویٰ دے سکتا ہے۔

[۷۱] ہاں! اگر کوئی ایسا شخص ہو، جسے کوئی سخت ضرورت درپیش ہو یا خود مفتی ایسا ہو کہ جسے خوب فقہی مہارت حاصل ہو (تو ایسے دو شخص ضعیف قول پر عمل کرسکتے ہیں)۔

[۷۲] لیکن قاضی (بہ ہر حال) ضعیف قول کے مطابق فیصلہ نہیں کرسکتا اور اگر (بالفرض) کربھی دیا؛ تو اس کا یہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔

[۷۳] خاص طور پر ہمارے زمانے کے قاضی (کا فیصلہ نافذ ہوگا ہی نہیں)؛ اس لیے کہ اُنھیں عہدۂ قضا پر فائز کرتے وقت، مذہب کے راجح قول کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند کردیا گیا ہے۔

[۷۴] (فتویٰ نویسی کے) جن اصول وضوابط کو میں (اشعار کی) لڑی میں پرورہا تھا، وہ مکمل ہوگئے اور الحمدللہ مشک کی مہر ہے۔

شرح: علامہ شامی رحمہ اللہ بالکل شروع میں یہ بات بیان فرما چکے ہیں کہ بالاجماع راجح قول کی پیروی لازم وضروری ہے، اس کے خلاف مرجوح اور ضعیف قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں، اب یہاں سے حضرت علامہ رحمہ اللہ بعض ایسی صورتیں ذکر کرنا چاہتے ہیں، جن میں قولِ ضعیف پر عمل جائز ہے؛ مگر اصل راجح قول پر ہی عمل کرنا ہے؛ اس لیے پہلے یہاں بھی اصل ہونے کے اعتبار سے مکرر اُس کا تذکرہ

کر دیا، اِس کے بعد فرماتے ہیں کہ دو صورتوں میں ضعیف قول پر فتویٰ دینے اور عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

پہلی صورت

ایک شخص بہت زیادہ ضرورت مند ہے، اُسے اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے ضعیف قول کو اختیار کیے بغیر کوئی چارہ نہیں؛ تو ایسا مجبور شخص ضعیف قول پر عمل کر سکتا ہے۔ جیسے: حنفیہ کے یہاں حضراتِ طرفین کے نزدیک وجوبِ غسل کے لیے اتنا کافی ہے کہ منی اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ ہٹ جائے، شرم گاہ سے باہر آتے ہوئے شہوت ہو یا نہ ہو؛ یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وجوبِ غسل کے لیے منی کا شرم گاہ سے شہوت کے ساتھ نکلنا ضروری ہے، یہ ضعیف قول ہے؛ لیکن اگر کوئی مسافر ایسی جگہ یا ایسی سواری میں سفر میں ہو، جہاں اُسے سفر میں غسل کرنے میں پریشانی ہو یا کسی جگہ مہمان ہو اور غسل جنابت کرنے میں اُسے شرم آتی ہو اور اُس پر تہمت لگنے کا اندیشہ ہو؛ تو حضراتِ فقہاء نے ایسے شخص کو اجازت دی ہے کہ اگر وہ انزال کے وقت عضو مخصوص کو پکڑ لے اور منی نہ نکلنے دے، پھر جب شہوت ختم ہو جائے، تب منی کا خروج ہو، تو حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اُس پر غسل کرنا ضروری نہیں ہوگا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ قول مفتیٰ بہ نہیں؛ مگر ضرورت کی وجہ سے اسے مفتیٰ بہ بنا دیا گیا۔

دوسری صورت

کوئی مفتی اگر ذی رائے، بالغ نظر اتنی مضبوط صلاحیت کا مالک ہو کہ وہ فقہاء کے ضعیف قول کو، دوسری کسی دلیل کی بنیاد پر قوی سمجھے، تو پھر ایسی صورت میں وہ فقہاء کے ضعیف قول پر عمل کر سکتا ہے۔

حاصل کلام

مجبوری کے درجے میں ضعیف قول پر مفتی خود بھی عمل کرسکتا ہے، دوسروں کو بھی فتویٰ دے سکتا ہے، احناف کا صحیح قول اِس سلسلے میں یہی ہے۔

قولِ ضعیف پر فیصلہ کرنا مطلقاً درست نہیں

رہی بات قاضی کی کہ وہ ضعیف قول کے مطابق فیصلہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو اِس سلسلے میں علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اجازت صرف فتوے کی حد تک ہے، جہاں تک قضا و فیصلے کی بات ہے، تو اِس میں ضعیف قول پر عمل درست نہیں۔ قاضی اگر مجتہد ہے، تو اُس پر لازم ہے کہ وہ اس قول کے مطابق فیصلہ کرے، جو اُس کے نزدیک راجح ہے اور اگر قاضی مقلد ہے، تو اُس پر مذہب کے راجح قول کے مطابق فیصلہ کرنا لازم ہے؛ کیوں کہ اُنھیں عہدۂ قضاء سپرد کیے جانے کے وقت، مذہب کے راجح قول کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند کردیا گیا ہے؛ لہٰذا دونوں طرح کے قاضی پر ہر حال میں راجح قول کے مطابق فیصلہ کرنا لازم ہے؛ البتہ قاضیٔ مجتہد نے اگر قولِ ضعیف کے مطابق فیصلہ کردیا، تو وہ نافذ ہوجائے گا؛ اس لیے کہ ضعیف قول قاضیٔ مجتہد کے فیصلے سے قوی ہوجاتا ہے؛ مگر قاضیٔ مقلد اگر ضعیف قول کے مطابق فیصلہ کردے، تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔

اللہ پاک کی تعریف پر کتاب کا اختتام

علامہ شامی رحمہ اللہ اخیر میں فرماتے ہیں کہ فتاویٰ نویسی کے جن اصولوں کو، مَیں منظوم شکل میں بیان کر رہا تھا، اس کا سلسلہ مکمل ہوا۔ اس پر میں اللہ پاک کی تعریف

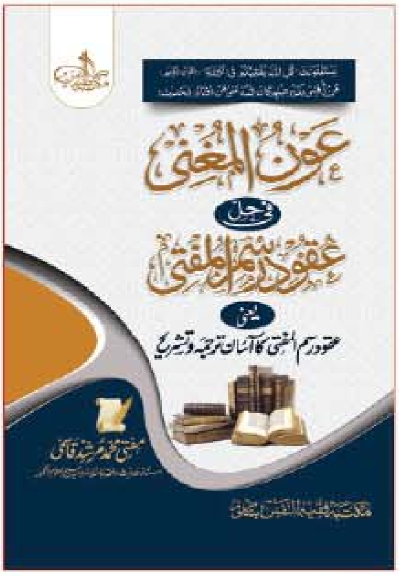
کرتا ہوں کہ اُن ہی کی توفیق ومدد سے یہ کام مکمل ہوا، اللہ پاک کی تعریف سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں؛ اس لیے علامہ رحمہ اللہ نے ''الحمد للہ'' کو ختامِ مسک (مشک کی مہر) کہا، تحریر کی تکمیل پر مہر ثبت کر دی جاتی ہے، جو اِس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اب اس کے بعد کچھ نہیں لکھا جائے گا۔ علامہ نے اخیر میں اللہ پاک کی تعریف کا مہر ثبت کر کے کام کو مکمل کر دیا اور بتایا کہ اللہ پاک کی تعریف کے بعد، اب یہاں کچھ نہیں تحریر کیا جائے گا۔

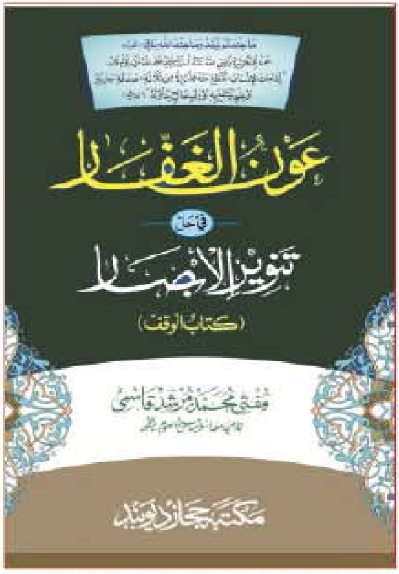
اِس عاجز کے کام کی تکمیل

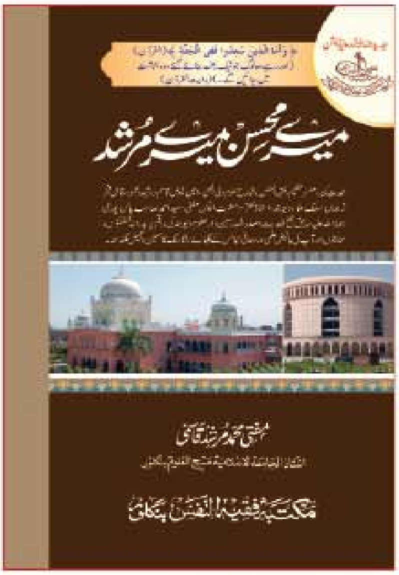
اس بندۂ عاجز نے الحمد للہ ترجمے کا کام بہ روزِ بدھ، ۱۴۴۶/۳/۱۵ھ =۲۰۲۴/۹/۱۸ء بعدِ نمازِ مغرب اور ٹوٹی پھوٹی تشریح کا کام جمعہ کی رات (جمعرات وجمعہ کی درمیان رات) ۱۴۴۶/۳/۳۰ھ = ۲۰۲۴/۱۰/۳ء کو بہ وقتِ عشاء کسی طرح گرتے پڑتے مکمل کیا۔

اللہ پاک محض اپنی مہربانی اور فضل سے دونوں (ترجمہ وتشریح) کو اصل (عقود رسم المفتي) اور شرح (شرح عقود رسم المفتي) ہی کی طرح قبول فرمالیں۔ آمین

مصنف کی تصنیفات ایک نظر میں









مکتبہ فقیہ النفس بنگلور
MAKTABA FAQIHUN NAFS BANGALORE
Mobile No : 8884293495